جاسوسی دنیا نمبر 62

لاش کا قہقہہ

(تیسرا حصہ)

اغواء

یہ بھی ممکن تھا کہ یہ واقعہ ہی نہ ہوتا.... یا ہو ہی جاتا....وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ آرلکچو میں وہ نگامہ قطعی اتفاقیہ تھا۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ ہنگامہ اسی لئے ہوا تھا کہ اسی کی آڑ میں کوئی اپنا کام کرجائے تو یہ بالکل بیکار سی بات ہوگی۔ کیونکہ جس کی وجہ سے ہنگامہ ہوتا وہ خواہ مخواہ اپنی گردن کیوں پھنساتا۔ ویسے اُسکی گردن ہر اعتبار سے بہت موٹی تھی۔ وہ خود بھی موٹا تھا۔ غیر معمولی طور پر موٹا اور اتنا ہی غیر معمولی طور پر لمبا بھی....یعنی اس حلئے کا آدمی گرانڈیل احمق قاسم کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔

ہنگامے کی وجہ بہت معمولی سی تھی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم کے لئے بھی معمولی ہی رہی ہو۔ ہوا یہ کہ نوجوان جوڑا اُس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آیا۔ قاسم بڑے انہماک سے کھانے پر ہاتھ صاف کررہا تھا۔ اس کے سامنے متعدد پلیٹیں تھیں اور ایک خالی پلیٹ میں ہڈیوں کا اہرام تعمیر ہورہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ شوربے سے بھرے ہوئے تھے۔ آنے والوں میں ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی اور دوسرا ایک نوجوان مرد۔ مرد کو قاسم اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کے ایک سرمایہ دار کا لڑکا تھا۔ غالباً وہ بھی قاسم سے واقف تھا۔ کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے تھا۔

قاسم لڑکی کو نہیں پہچانتا تھا لیکن پہلی ہی نظر میں وہ اُسے بے حد پسند آئی کیونکہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اچھی صحت بھی رکھتی تھی۔ وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی تھی جس کے لئے قاسم کی

''رومانی'' لغات میں صرف ایک ہی لفظ ہوسکتا تھا۔ ''تگڑی'' مگر..... پھر بھی اُس کے چہرے مہر
ڈیل ڈول میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ قاسم اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

لڑکی بھی اُسے دیکھ کر مسکرائی اور نوجوان آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہنے لگا۔ ساتھ ہی وہ قا
کنکھیوں سے دیکھتا بھی جارہا تھا..... پھر اُن دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

قاسم کو تاؤ آ گیا۔ کھلی ہوئی بات تھی۔ وہ قاسم کا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔ اگر لڑکی تنہا ہوتی تو
کوئی بات نہیں تھی وہ قاسم کے گلے میں جوتیوں کے ہار بھی ڈال سکتی تھی۔ مگر وہ مرد..... وہ ''ا
پٹھا'' کیوں ہنسا تھا اُسے دیکھ کر۔ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے میں شوربے کی تو
اس نوجوان کے منہ پر پڑی..... اُس کے ساتھ بھی ایک لڑکی تھی اور کسی لڑکی کی موجودگی میں اُس کا
معمولی سی توہین بھی نہیں برداشت کرسکتا۔

اُس نے قاسم پر چھلانگ لگائی۔ کرسی ٹوٹنے کی چرچراہٹ ڈائیننگ ہال میں گونج کر رہ گئی۔
چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اس دوران میں قاسم اُسے میز پر اچھال چکا تھا۔ میز سمیت وہ دو
طرف الٹ گیا۔

دفعتاً اُسی وقت پورا ہال تاریک ہوگیا۔

کسی لڑکی کی چیخ اندھیرے میں لہرائی۔

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... چھوپ۔'' ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کا منہ دبالیا گیا ہو۔ میزیں الٹ
تھیں۔ لوگ چیخ رہے تھے اور قاسم بُری طرح بدحواس ہوگیا تھا..... نہ جانے کتنے بھاگتے ہوئے لو
اُس سے ٹکرائے۔ نہ جانے وہ کتنی بار گرا۔ گر کر اٹھنے نہیں پایا کہ دو چار اور آ گرے اُس پر۔ ظاہر
جب وہ دوبارہ اٹھ کر بھاگتے ہوں گے تو قاسم کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ بہرحال وہ بُری طرح کچلا اور رو
گیا۔ لیکن اُسی بدحواسی کے عالم میں نہ جانے کیسے اُس کے ذہن کی دلدل میں روشنی کی ایک کر
لودے اٹھی۔ اُس نے سوچا کہ اس ہنگامے کی ساری ذمہ داری اُسی پر عائد ہوگی۔ لہٰذا روشنی ہونے
قبل ہی کھسک جانا چاہئے۔

وہ بمشکل تمام اٹھا اور اندازے سے ایک دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

اندھیرے میں اب بھی لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ میزوں اور کرسیوں سے الجھ کر
رہے تھے۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں نسوانی چیخوں سے ہم آہنگ ہوکر کچھ عجیب سی لگتیں۔

قاسم کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گیا لیکن باہر نکلنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ اب باہر سے
بھی ایک جم غفیر اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بہزار خرابی وہ کمپاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی کار میں بیٹھا تھا اور کس
طرح اُسے ڈرائیو کرتا ہوا گھر تک پہنچا تھا۔

اُس کے کپڑے شوربے کے بڑے بڑے دھبوں سے زعفران زار بنے ہوئے تھے۔ ننھی منی بیوی
نے اس کی ہیئت دیکھی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا کسی نے باورچی خانے میں بند کر کے مارا تھا۔'' اُس نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے
ہوئے کہا اور قاسم ناچ گیا۔

''دیکھو۔'' وہ انگلی اٹھا کر آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔ ''تم مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''تم تھے کہاں۔'' دفعتاً اُس کی بیوی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آج کسی شریف آدمی نے
تمہیں اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہوگا۔''

''دیکھ لیا تھا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''تم سے مطلب..... تم جہنم میں جاؤ۔''

''تم خود جاؤ..... مجھ سے اس طرح اکڑ کر گفتگو نہ کیا کرو۔ تمہاری لونڈی ہوں کیا۔''

''ہزار بار کہوں گا..... تم میری لونڈی ہو..... ہاں۔''

''زبان سنبھال کے..... بڑے آئے..... کہیں کے۔''

''تم بکواس نہ کیا کرو..... کیا میں تم سے بولا تھا۔'' قاسم دہاڑا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں تھے۔''

''میں چانڈو خانے میں چرس پی رہا تھا۔ تم سے مطلب۔''

''میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔ پھر انہیں سے مطلب پوچھنا۔''

''کردو۔'' قاسم رو میں بولا۔ پھر یک بیک سنبھل کر ہکلانے لگا۔ ''تم..... ب..... بیکار..... میرے
پپ..... پیچھے..... پپ پڑ رہی ہو..... میں تو میلاد میں گیا تھا..... ہاں۔''

''پھر یہ شوربے کے دھبے کیسے ہیں۔''

''میں نے میلاد سننے والوں کے لئے سالن پکایا تھا..... ارر..... ہام..... نن..... نہیں..... سنو تو سہی۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی۔ خاندان کا نام اچھالتے پھرتے ہو۔''

''اب آئے گی.....اب آئے گی۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تم ابا جان کو فون مت کرنا..... ہاں..... مجھے ذرا غصہ آ گیا تھا۔''

''اور غصے میں تم نے قورمے کی پلیٹ میں چھلانگ لگا دی۔''

''ارے تم سنو تو سہی..... مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا..... پرویز کے بچے پر۔''

''کون پرویز.....!''

''سر سلیمان کا لڑکا.....اُلو کا پٹھا..... مجھے دیکھ کر ہنستا ہے..... میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ مار

وہ لڑنے پر تیار ہوا تو اٹھا کر پھینک دیا سالے کو۔''

''کہاں لڑے تھے۔''

''آرلکچو میں۔''

قاسم کی بیوی نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔''اب ہوگی مقدمہ بازی چچا جان اور سر

میں ویسے ہی ٹھنی رہتی ہے۔''

''مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹھنی رہتی ہے ورنہ مار ہی ڈالتا سالے کو۔''

''اپنی خیر مناؤ۔ چچا جان کو لازمی طور پر اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اے چچا جان کی بھتیجی کبھی تم دونوں سے پیچھا بھی چھوٹے گا میرا۔'' قاسم جھلا گیا۔

''مجھے تم زہر دے دو۔ لیکن بوڑھے باپ کو کیوں کوستے ہو۔''

''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔''ایک بھی باپ نہیں ہے.....

اور کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی کہ تمہیں کسی دن سچ مچ زہر دے دوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو۔'' قاسم کی بیوی نے بُرا سا منہ بنایا۔

قاسم پیر پٹختا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔

❁

شام ہی سے آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ دس بجے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ آ

پانی ساتھ آئے تھے۔ شہر کے بہتیرے حصے بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر تاریک ہو گئے۔

ویران پڑ گئی تھیں۔

دفعتاً ایک کار کرنل فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور سیدھی پورچ کی طرف چلی گئی۔

اترنے والا محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔

نوکروں نے اُسے ڈرائینگ روم میں بٹھا کر فریدی کو اطلاع دی اور فریدی شب خوابی کے لباس

ہی میں ملنے چلا آیا۔

''کیسے تکلیف فرمائی جناب۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ وہ ایک با اصول آدمی تھا۔ اس لئے

اونچی پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود بھی اپنے آفیسروں کا احترام کرتا تھا۔ پھر ویسے بھی سپرنٹنڈنٹ

ایک معمر آدمی تھا اور ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔

''ایک نئی مصیبت کرنل.....!'' سپرنٹنڈنٹ نے رک رک کر کہا۔

''فرمایئے.....! تشریف رکھئے۔'' فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

''میں نے فون کرنا چاہا لیکن لائن خراب تھی۔ میرے خدا.....اب تک اُسی رفتار سے بارش ہو رہی

ہے جس رفتار سے شروع ہوئی تھی۔''

اتنے میں ایک نوکر اندر آیا۔

''کافی.....!'' فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی.....اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آپ ٹھنڈی ہواؤں سے گذر کر یہاں تک آئے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔''کافی ضرور پیجئے۔''

''خیر..... ہاں.....تو میں اسلئے آیا تھا کہ اس طوفان میں شائد تمہیں گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ مگر میں کیا

کروں۔ معاملہ اتنا ہی اہم ہے۔ کسی دوسرے کو اس معاملے میں ڈال کر وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا

گیا۔ سب سے پہلے میں آئی جی صاحب کے بنگلے پر گیا تھا۔ اُنکا بھی یہی خیال ہے کہ تم ہی کچھ کر سکو گے۔''

''فرمایئے.....موسم کی فکر نہ کیجئے.....موسم بھی اُسی جہانِ آب وگل کی پیداوار ہیں جس نے آدمی کو

جنم دیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔

''تم نے بھی سعیدہ رحمان کے متعلق سنا ہوگا۔''

''کون سعیدہ رحمان۔''

''جو ایک ہفتہ پہلے جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ لیکن اب ایک ارب پتی لڑکی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس معجزے کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ اس قسم کے واقعات اور کردار صرف کہانیوں ہی میں ملا کرتے تھے۔ اُس کا ایک مالدار چچا حال ہی میں فوت ہوا ہے اور اس کی ساری دولت اُس کے حصے میں آئی ہے.... لہٰذا یہاں کے سارے سرمایہ دار یک بیک اُس کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔''

سپرنٹنڈنٹ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''آج شام کو وہ سرسلیمان کے لڑکے پرویز کے ساتھ آرلیکچو میں تھی۔ وہاں خان بہادر عاصم کے لڑکے سے پرویز کا جھگڑا ہوگیا۔''

''جھگڑا کیوں ہوگیا۔''

''پرویز کا بیان ہے کہ اُس نے بس یونہی بیٹھے بیٹھے شوربے کی پلیٹ اُس کے منہ پر کھینچ ماری تھی۔ ان میں کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اسی دوران میں ہال فیوز اڑ گیا اور پرویز نے سعیدہ رحمان کی چیخیں سنیں۔ روشنی ہونے پر نہ وہاں سعیدہ تھی اور نہ قاسم۔ پرویز نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں سعیدہ کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ لیکن وہ نہ ملی۔ سرسلیمان نے براہ راست آئی جی سے گفت وشنید کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔''

''شبہہ قاسم کی طرف ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں یہی تو بات ہے۔ خان بہادر عاصم بھی آئی جی کے دوستوں میں سے ہیں۔ اسی لئے ہاں۔ عاصم اور سلیمان کے تعلقات پہلے ہی سے ناخوشگوار ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اگر آپ یہ کام مجھے سونپنا چاہتے ہیں تو میں عرض کردوں۔'' فریدی جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ کافی آ گئی۔

''ہاں.... کہو.... کیا کہہ رہے تھے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''مطلب یہ کہ اگر یہ واقعی اغواء کا کیس ہے اور اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ثابت ہوا تو آئی جی صاحب کی دوستی عاصم کے کام نہ آسکے گی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آئی جی صاحب بھی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ تفتیش تم ہی کرو۔ اُن کا خیال ہے کہ عاصم کا لڑکا اس قسم کی حرکتوں کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

فریدی نے کافی بنا کر پیالی اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم سے اچھی طرح واقف ہوں.... دوسروں کا آلہ کار بننے کی صلاحیت اُس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ خیر میں دیکھوں گا.... ہاں

اب آپ مجھے اُس لڑکی کے متعلق بتایئے۔ اُس کا چچا کہاں تھا۔''

''جیکا میں.... وہ وہیں پر آباد ہوگیا تھا۔ وہاں اُس کا کروڑوں روپیوں کا کاروبار تھا۔ اور لاکھوں کی جائیداد۔ اُس کی وارث یہی لڑکی سعیدہ رحمان قرار پائی ہے کیونکہ قریبی عزیزوں میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اُسے یہ اطلاع یہاں کے ایک وکیل کی وساطت سے ملی تھی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ لڑکی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اُس کا کوئی چچا اتنا مالدار بھی ہوسکتا ہے۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کا ایک چچا تھا جو بچپن میں گھر سے نکل گیا تھا۔''

''اوہ.... یہ واقعی کوئی دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ہاں بھئی! بعض اوقات تو اس لڑکی کے مقدر پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اُس کے چچا کا کیا نام تھا۔''

''کرم رحمان۔'' سپرنٹنڈنٹ بولا۔ ''نچلے طبقے کے لوگ ہیں لیکن.... دولت.... لڑکی کے والدین بھی مرچکے ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ گریجویٹ۔''

''کیا اُسے کچھ روپیہ مل بھی گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ضرور ملا ہے۔ کیونکہ اب وہ پرنسٹن کے ایک شاندار بنگلے میں رہتی ہے۔''

''کس وکیل کی وساطت سے اُسے اپنے مالدار ہوجانے کی اطلاع ملی تھی۔''

''کیلاش ورما کی وساطت سے اور وہ اس کا قانونی مشیر بھی ہے۔''

''کیا یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ اُس لڑکی میں کتنے لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔''

''ہاں.... میرا خیال ہے کہ پرویز ہی اُس کے متعلق بتا سکے گا۔''

''بہت بہتر۔ میں اسی وقت سے کام شروع کرتا ہوں۔ کیا خان بہادر عاصم کو اس واقعے کی اطلاع ملا چکی ہے۔''

''مل چکی ہے۔ آئی جی صاحب نے انہیں میرے ہی سامنے فون کیا تھا۔''

''اصولاً غلط ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر حقیقتاً اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ہے تو.... اسے روپوش کردیا جائے گا۔''

سپرنٹنڈنٹ نے اُس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر فریدی کا بگڑا ہوا سگار سلگانے لگا۔

اتنے میں پورچ سے ہارن کی آواز آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کی آواز بھی سنائی دی۔ شاید وہ باہر سے آیا تھا اور نوکروں کو متوجہ کرنے کے لئے اُس نے ہارن بجایا تھا۔

پھر وہ راہداری سے گذر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اُسے آواز دی۔ وہ مڑا لیکن سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا.... پھر وہ اُسے سلام کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔

''بیٹھو....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور تیسرے کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سپرنٹنڈنٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو اب میں چلوں گا۔''

''آپ مطمئن رہئے۔ کام اسی وقت سے شروع کر دیا جائے گا۔''

کام کا نام سنتے ہی حمید کا کام تمام ہو گیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ کو رخصت کرنے کے لئے پورچ تک آنا ہی پڑا۔

سپرنٹنڈنٹ کی کار چلی گئی۔

''سنا ہے بارش میں بھیگنے سے اکثر نمونیہ بھی ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر میں چلا بھیگنے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ کام بہت معمولی سا ہے۔ ویسے اگر لیٹنے ہی کو دل چاہتا ہے تو مجھ رجوع کرو۔ مجھے عرصہ سے کسی کے ہاتھ پیر توڑنے کا موقعہ نہیں ملا۔''

''کیا قصہ ہے۔''

''دلچسپ ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔ آؤ اندر چلیں۔''

پھر وہ ڈرائینگ روم میں واپس آئے اور فریدی کو سپرنٹنڈنٹ سے جو کچھ بھی معلوم ہوا تھا اُس دہراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا قاسم اُس لڑکی کے چکر میں تھا۔''

''پتہ نہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ قاسم میں اس قسم کے کاموں کی صلاحیت نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی کا آلۂ کار تو بن ہی سکتا ہے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔ مگر وہ بھی اسی صورت میں جب کہ اُسے سازش کا علم نہ ہو۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے مقصد بتائے بغیر اُسے پرویز کے خلاف اکسایا ہو۔ مگر یہ لڑکی۔ میں نے بھی دو تین دفعہ ہوئے اُس کا تذکرہ سنا تھا۔''

''کوشش کرو۔ اس سے شادی کر کے تم شہر کے بہت بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ وہ اَرب پتی ہے۔''

تفتیش

حمید فریدی کی ہدائت کے مطابق قاسم کے گھر پہنچا۔ حالانکہ بارش اُسی زور و شور کیساتھ جاری تھی۔ پھاٹک ہی پر قاسم کے باپ سے ملاقات ہو گئی۔ حمید کی کار اندر جا رہی تھی اور اُس کی کار باہر نکل رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر رک گئیں۔

''کون صاحب ہیں۔'' کار سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ وہ قاسم کا باپ ہی تھا۔

''کیپٹن حمید! بسلسلہ تفتیش....!'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا.... وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ کیا یہ کیس آپ ہی لوگوں کے پاس ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بہت اچھا ہے۔ اَب میں مطمئن ہوں۔ آپ ذرا اپنی گاڑی پیچھے ہٹائیے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

حمید نے کار بیک کی اور خان بہادر عاصم کی کار نکل گئی۔ پھر حمید اپنی کار پورچ کی طرف لیتا چلا گیا.... قاسم کی بیوی شائد عاصم صاحب کو رخصت کرنے کیلئے برآمدے تک آئی تھی اور کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس دیکھ کر وہیں رک گئی تھی اور پھر جب اُس نے حمید کو دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں! آپ ہنسیں کیوں....!'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ بھی تشریف لے آئیے.... آیئے آیئے۔ میں آپ کو ایک عبرت ناک منظر دکھاؤں۔''

''میں تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔ مگر قاسم کو کیا ملے گا سعیدہ رحمان کے اغواء سے۔''

''یہ انہیں سے پوچھئے گا۔''

''وہ ہے کہاں!''

''وہیں لے جا رہی ہوں۔ کیا آپ اس وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔''

''کیا میں اُس کی دُم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

قاسم کی بیوی ہنس پڑی لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُس کی بات پر نہیں ہنسی.... انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کسی مضحکہ خیز بات کے یاد آنے پر ہنس پڑی ہو۔

وہ اُسے قاسم کی خواب گاہ میں لائی۔ واقعی وہ ایک عبرت ناک منظر تھا۔ اتنا عبرت ناک کہ وہ تو

خیر پہلے ہی ہنس رہی تھی۔ حمید بھی ہنس پڑا۔

قاسم اپنی مسہری پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی مرضی سے کروٹ لینے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

''میں گولی مار دوں گا۔''

''تم ہل بھی نہیں سکتے اپنی جگہ سے۔ جھوٹ نہ بولو۔'' حمید نے کہا۔

''تم قیوں.... کیوں آئے ہو! یہاں!''

''تمہارے ہتھکڑیاں لگانے کے لئے۔ سعیدہ رحمان بالکل لاوارث لڑکی ہے۔ اُس کا آخری بھی مر گیا۔''

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم آتی ہوئی چھینک روک کر دھاڑا۔ ''ارے چپ.... خدا کر تمہارا منہ سڑ جائے۔''

قاسم کی بیوی شائد اُسے جلانے کے لئے اس وقت بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی۔ ویسے حمید اُسے بہت کم ہنستے دیکھا تھا۔

''تم خواہ مخواہ غصہ کر کے اپنی صحت نہ برباد کرو۔ پیارے قاسم....!'' حمید اُس کے سر پر ہاتھ ہوا بولا۔

''ہاٹ جاؤ۔'' قاسم نے کسی کھسیانے کتے کی طرح دانت نکال کر گردن کو جھٹکا دیا۔

''حمید بھائی.... میں آپ کے لئے کافی بنواؤں۔'' قاسم کی بیوی نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔'' قاسم غرایا۔

''حمید بھائی.... کافی کے ساتھ آپ انڈوں کا حلوہ پسند کریں گے یا لوز بادام....!''

قاسم غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''دونوں۔''

قاسم کی بیوی کمرے سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے قاسم کو دیکھتا رہا پھر مغموم لہجے میں بولا۔ ''قاسم میں مغموم ہوں۔''

''خدا ایسا باپ گدھے کو بھی نصیب نہ کرے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیا وہ تمہیں باندھ گئے ہیں۔''

''ارے یہ عورت۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس کی تو میں ہڈیاں چبا جاؤں گا۔ اسی نے مشورہ دیا ہوگا۔ حمید بھائی تم مجھے غائب کر دو۔ ایک دم غائب کر دو۔ دو چار سال کے لئے۔''

''مگر یہ سعیدہ رحمان کا کیا قصہ ہے۔''

''ارے یار کچھ نہیں بس غصہ آ گیا تھا۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''میں اُس سالی کو پہچانتا بھی نہیں تھا.... وہ پرویز کے ساتھ آئی تھی اور وہ پرویز الو کا پٹھا مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ پتہ نہیں چپکے چپکے اُس سے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بھی ہنس رہی تھی۔ خود بھی ہنس رہا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ کھینچ ماری۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ خود بخود ہال میں اندھیرا ہو گیا اور میں اندھیرے ہی میں گھر واپس آ گیا.... اب یہ قصہ.... میں کیا جانوں وہ سالی کون ہے۔''

''تمہیں کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے نہیں۔ اکساتا کون۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔''

''نہیں پیارے تم تو بقراط ہو۔''

''تم خود ہو گے بقراط۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت مذاخ کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیا میں تمہیں آزاد کر دوں۔''

قاسم تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''نہیں۔''

''کیوں....!''

''ارے وہ بڈھا میرے جسم پر سے کھال اُتار دے گا۔ وہ اس اُلو کی پٹھی سے کہہ گیا ہے کہ جب میں فون کروں تب ہی ہاتھ پیر کھولے جائیں۔''

''تم مجھے باپ بنا لو قاسم.... اُس پر لعنت بھیجو۔''

''اچھا....!'' قاسم رو میں کہہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''کیا کہا۔''

''کچھ نہیں.... ہاں تو تم نے سعیدہ رحمان کے متعلق پہلے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔''

''ہاں.... سنا تھا۔ مگر سن کر کرتا بھی کیا.... میری شادی تو ہو چکی ہے۔''

''آہا....تو یہ خیال تھا دل میں....کیوں قاسم؟ کیا تم اب فراڈ کرنا سیکھ رہے ہو۔''

''کیوں....!''

''اس اغواء میں تمہارا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''دیکھو! یہ کیس فریدی صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذرہ برابر بھی مروت نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم لڑکی کا پتہ بتا دو تو شائد معاملہ دبا دیا جائے۔''

قاسم خاموشی سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔''میں کس طرح یقین دلاؤں کہ مجھے اغواء کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم کی بیوی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''مرتی بھی نہیں کسی صورت سے۔'' قاسم بڑبڑانے لگا۔

''مرنے ہی جا رہی ہوں۔ اس وقت اتنا ہی کھاؤں گی جتنا تم کھاتے ہو۔''

قاسم نے آنکھیں بند کر لیں۔ حمید نے اُس کے سرہانے رکھی ہوئی گول میز کھسکائی اور قاسم کی بیوی نے ٹرے اُس پر رکھ دی۔ پلیٹوں میں کئی طرح کی چیزیں تھیں۔ حمید کو بھوک نہیں تھی مگر معاملہ چونکہ قاسم کو غصہ دلانے والا تھا اس لئے وہ صحیح معنوں میں ٹرے پر ٹوٹ پڑا۔

''آپ بھی آیئے نا مگر پیالیاں تو دو ہی لائی ہیں آپ....!''

''تیسری کس کے لئے لاتی۔'' قاسم کی بیوی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''اپنے باوا کے کفن کے لئے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

اور قاسم کی بیوی کچھ اس انداز میں ہنسنے لگی جیسے قاسم کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

ان دونوں میں کسی طرح کی بھی مطابقت نہیں تھی۔ نہ ذہنی نہ جسمانی۔ قاسم پہاڑ تھا اور وہ گلہری۔ قاسم کی اَپر چیمبر بالکل ہی خالی تھی لیکن وہ خاصی ذہین عورت تھی۔ بلکہ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے اُسے عورت کی بجائے لڑکی ہی کہنا چاہئے۔ عمر اٹھارہ سال سے کسی طرح زیادہ نہیں تھی....اور یہ خود قاسم ہی کا بیان تھا کہ وہ آج تک اُس کی بیوی نہیں بن سکی۔

وہ اُس کے چچا کی لڑکی تھی۔ یہ بے جوڑ شادی اس لئے ہوئی تھی کہ گھر کی دولت گھر ہی رہ جائے ورنہ شائد کوئی بھک منگا بھی ایسی بے جوڑ شادی کو پسند نہ کرتا....بہر حال شائد یہ مایوسانہ جنسی زندگی

ردِ عمل تھا کہ وہ اُسے اس طرح زچ کیا کرتی تھی اور اُسے تکلیف میں دیکھ کر اُسے ذرہ برابر بھی رحم ہیں آتا تھا۔

وہ دونوں ہنس ہنس کر کافی پیتے رہے اور پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔

''اَبے حمید کے پٹھے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔''میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔''

''کیوں بھئی! کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں یہاں ایک تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خدا غارت کرے تمہیں۔'' قاسم نے کہا پھر اپنی بیوی پر غرایا۔''میں قروٹ....کروٹ بدلنا چاہتا ہوں۔''

''بدل لو....میں نے کب منع کیا ہے۔'' اُس نے لاپروائی سے کہا۔

''میں کیا کروں....یا اللہ....!'' قاسم نے جھلاہٹ میں سر اٹھا کر مسہری پر دے مارا۔

''اے....رسیاں ڈھیلی نہ ہونے پائیں ورنہ چچا جان کو فون کر دوں گی۔''

قاسم دانت پیس کر رہ گیا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ اُس کی گردن مروڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا۔

حمید نے کافی ختم کر کے پائپ سلگایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر اُس کی بیوی سے بولا۔''مجھ سے ماں کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔''

''مجھ سے بھی نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر نوکروں سمیت یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''ٹانگیں توڑ دوں گا اگر گھر کے باہر قدم نکالا۔'' قاسم نے گرج کر کہا۔

''ذرا زبان سنبھال کر۔ ورنہ میں چچا جان کی دوسری تجویز پر بھی عمل شروع کرا دوں گی۔''

''کیسی تجویز۔''

''یہی کہ ہر پندرہ منٹ بعد تم پر ایک بالٹی ٹھنڈا پانی ڈالا جائے۔''

''ارے خدا غارت کرے جھوٹوں کو۔ یہ کب کہا تھا۔''

''کہا تھا۔'' قاسم کی بیوی سر ہلا کر بولی۔''الگ لے جا کر کہا تھا۔''

''جھوٹ....جھوٹ....اللہ قسم۔ بالکل جھوٹ۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فون اٹھا دوں....پوچھ لو۔''

''میں نہیں پوچھتا....حمید بھائی بس اب مجھے کھول دو۔ حد ہو چکی ....ایسا باپ....ارے باپ رے باپ۔ اللہ قسم تہلکہ مچادوں گا۔ میں قسی سے نہیں ڈرتا۔ ابھی سیدھا کسی رنڈی کے کوٹھے پر جاؤں گا۔ اتنی پیوں گا کہ پھٹ جائے۔ کھول دو حمید بھائی۔ میں استبدا کرتا ہوں۔''

''استبدا کیا۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''اے خوشامد۔'' قاسم جھنجھلا کر چیخا۔

''خوشامد اسی طرح کی جاتی ہے۔''

قاسم خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا اور ہونٹ ہلاتا رہا پھر بولا۔ ''کھول دو حمید بھائی میرے بڑے بھائی ہو۔ اب میں تمہیں کبھی بُرا بھلا نہیں کہوں گا....اور....اور....وہ سعیدہ رحمان کا بھی بتادوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک کوٹھری نہیں کوٹھی....اررر یعنی کہ ایک جگہ بند کر دی گئی ہے۔''

''میں سچ کہتی ہوں حمید بھائی۔ یہ محض بکواس ہے۔ آپ ہرگز نہ کھولئے گا۔ ورنہ چچا جان....!''

''خاموش....!'' قاسم اتنے زور سے دہاڑا کہ آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ انہیں کھانسیوں کے درمیان وہ اپنی بیوی کے والدین کی خبر بھی لیتا جا رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا اور قاسم کی بیوی میز سے ٹرے اٹھا کر کھسکنے لگی۔

''بھاگی کہاں جاتی ہو۔ ٹھہرو نا....رک جاؤ۔'' قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والی تھی۔

❁

فریدی کی کار اُس عمارت کے سامنے رکی۔ جہاں سر سلیمان کے لڑکے پرویز کے ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس عمارت میں پرویز تنہا رہتا تھا بقیہ خاندان والوں سے الگ تھلگ۔ وہ ایک عیاش آدمی تھا اور اس سلسلے میں کافی بدنام بھی۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ لیکن فریدی نے کار باہر ہی چھوڑ دی۔ دو تین جگہ اندھیرے میں اُس کے پیر کیچڑ میں پڑے۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل پھٹ گئے تھے اور ان کی دراڑوں سے جگہ جگہ تاروں کے جھنڈ جھانک رہے تھے۔

کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی لیکن عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں۔ وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے ٹارچ روشن کی اور اُس کا دائرہ مختلف اطراف میں رینگتا رہا۔

اس نے کال بل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

دو منٹ بعد دروازہ کھلا۔ راہداری میں خود پرویز کھڑا تھا۔ فریدی نے اُسے پہچان لیا اور شائد وہ بھی فریدی کو پہچانتا تھا۔

''اُوہو! کرنل صاحب۔ تشریف لائیے....تشریف لائیے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کیس آپ ہی کے سپرد کیا جائے گا۔ میری خوش قسمتی۔''

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اُسے نشست کے کمرے میں لایا۔

''تشریف رکھئے جناب۔ اب اس وقت میں آپ کی کیا خاطر کروں۔ شرابوں میں بھی صرف شمپین کا کاج ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں۔''

''شکریہ....میں شراب نہیں پیتا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''تب میں معافی چاہتا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ دونوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔''

''اوہ....!'' پرویز بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''آج چوتھا دن تھا۔''

''کیا اُس سے پہلی ملاقات اتفاقیہ تھی۔''

''نہیں....میں خود ہی ملا تھا۔''

''آج کیا آپ اُسے اُس کے گھر سے لائے تھے۔''

''نہیں....شہر میں ملاقات ہو گئی تھی۔''

''آپ اُسے آرلکچو لے گئے تھے یا خود اُسی نے وہاں چلنے کی فرمائش کی تھی۔''

''جی نہیں....میں اُسے لے گیا تھا۔ مگر ان سوالات سے کیا حاصل۔''

''پھر آپ ہی فرمائیے کہ کس قسم کے سوالات کروں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

پرویز گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''معاف کیجئے گا۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔''

''قاسم سے پہلے بھی کبھی آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔''

''جھگڑے کی بنیاد بھی تعلقات ہی پر ہوتی ہے۔ میں نے کبھی اُسے منہ ہی نہیں لگایا جھگڑا کیا ہوتا۔''

''اور آج اُس نے خواہ مخواہ آپ پر پلیٹ کھینچ ماری۔''

''جی ہاں.... خواہ مخواہ.... ہم میں کبھی بول چال بھی نہیں رہی۔ کبھی رسمی طور پر بھی ہم نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کی۔''

''سعیدہ کے یہاں کبھی قاسم بھی نظر آیا تھا آپ کو۔''

''کبھی نہیں۔''

''کیا آج سعیدہ نے اُس سے کوئی گفتگو کی تھی۔''

''جی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ اُسے جانتی بھی نہیں۔''

''سعیدہ کے ملنے والوں میں کن لوگوں کو آپ جانتے ہیں۔''

''میں کسی کو نہیں جانتا۔''

''کیا اُس نے کبھی اپنے دوستوں کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا۔''

''جی نہیں۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ اس اغواء میں قاسم کا ہاتھ ہے۔''

''میرا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ جس طرح یہ واقعہ پیش آیا تھا آپ کے علم میں آچکا ہے۔ نتائج آپ ہی اخذ کر سکتے ہیں۔ نہ میں کسی پر شبہ ظاہر کر سکتا ہوں۔''

''آپ کی شادی ہو چکی ہے۔''

''نہیں....!'' پرویز نے کچھ اس انداز میں جواب دیا جیسے یہ سوال ناگوار گذرا ہو۔

''آپ ہی کی طرح شہر کے بہتیرے کنوارے اُس سے شادی کے خواہش مند ہوں گے۔''

پرویز کچھ نہ بولا۔ فریدی بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''قاسم کنوارہ نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی دوسرے کا آلہ کار تو بن سکتا ہے۔'' پرویز بولا۔

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ کسی کے خلاف شبہہ نہ ظاہر کریں گے۔'' فریدی مسکرایا۔

''دیکھئے اَب میں صاف صاف عرض کر دوں۔ والد صاحب اور خان بہادر عاصم کے تعلقات اچھے نہیں۔ عاصم انہیں ہر میدان میں شکست دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔''

''تب پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس میدان میں آپ کے والد صاحب نے اُسے شکست دینے کی کوشش کی ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں کچھ سمجھانے کے لئے نہیں آیا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''بلکہ سمجھنے.... کیا آپ مجھے سمجھنے کا موقع دیں گے۔''

''میں پھر نہیں سمجھا۔''

فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں تین بجے تک پھر آؤں گا یا پھر فون کروں گا۔ کیا آپ جاگتے رہیں گے۔''

''ایسے واقعہ سے دوچار ہونے کے بعد کون سو سکتا ہے کرنل صاحب۔ مگر آپ مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کئے جا رہے ہیں۔''

فریدی یہ پوچھے بغیر اٹھ گیا کہ وہ نئی الجھن کس قسم کی ہو سکتی ہے۔

وزیٹنگ کارڈس

حمید نے لحاف سے سر نکال کر فون کو گالی دی جس کی گھنٹی کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ گالیاں سننے کے باوجود بھی بجتی ہی رہی۔ حمید دہاڑتا ہوا بستر سے اٹھا اور فون پر ٹوٹ پڑا۔

دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا.... اور ستم یہ کہ وہ اپنی خواب گاہ سے بول رہا تھا۔ یعنی اتنے فاصلے سے جتنا کسی دیوار کے درمیان میں حائل ہو جانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ دونوں کی خوابگاہوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''میں یہ فون اپنی چھاتی پر باندھ کر سویا کروں۔''

''شکریہ! تم نے یہ نئی بات سجھائی۔ یقیناً تمہیں یہی کرنا چاہئے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر تم مجھے رپورٹ دیئے بغیر سو کیوں گئے تھے۔''

''مرتو نہیں گیا تھا۔''

''اُس صورت میں قبر سے اُکھاڑ کر رپورٹ نہ طلب کی جاتی۔''

''رپورٹ بھی اس وقت سو رہی ہوگی۔''

''بکواس بند.... رپورٹ۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''ہلو....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''قاسم، سعیدہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''اُسے کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے بھی نہیں۔ میری ہی طرح اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اُس نے پلیٹ پرویز کے منہ پر مار دی تھی....اور میں....اور میں یہ ریسیور اپنے سر پر مارنے جا رہا ہوں۔''

''کس بات پر غصہ آ گیا تھا۔''

حمید نے گردن ہلا کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ''وہ دونوں اُسے دیکھ کر ہنسے تھے۔''

''ہوں....قاسم اس وقت کیا کر رہا تھا جب تم پہنچے تھے۔''

''مزے کر رہا تھا....بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔''

''ارے جناب....وہ جس حال میں بھی تھا کم از کم سو تو سکتا تھا۔ اُس کے باپ نے اُسے سُلا سے باندھ دیا تھا۔''

''کیوں!''

''کیا اب اسی وقت یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔''

''جواب دو۔'' فریدی جھلا گیا۔

''نہ میں نے وجہ پوچھی اور نہ اُس نے بتایا۔ البتہ میں اُسے کھول ضرور آیا تھا۔ ہرگز نہ کھولتا مگر گدھے نے مجھے اس وقت اُلو ہی بنا دیا۔ کہنے لگا میں جانتا ہوں جہاں سعیدہ لے جائی گئی ہے مگر نے شرط یہ رکھی تھی کہ کھول دینے ہی پر بتائے گا۔ بہرحال میں نے کھول دیا....ظاہر ہے کہ وہ محض تھی۔ وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں کہتا ہوں آخر یہ مصیبتیں ہم پر ہی کیوں نازل ہیں۔ اگر صرف ہم ہی رہ گئے ہیں تو بقیہ عملہ برخواست کیوں نہیں کر دیا جاتا۔''

''اگر بقیہ عملہ ابھی سے برخواست کر دیا گیا تو پھر تمہاری بارات میں کون شرکت کرے گا اُس مال دار لڑکی سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں اور سنو میں اس وقت بستر میں نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کارنس پر بیٹھے ہوں گے۔ مگر کیا کروں آپ کا غصہ فضول ہے۔''

''کپڑے تبدیل کرو۔''

''نہیں آپ مجھے انہیں کپڑوں میں دفن کر دیجئے۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔''

''جلدی کرو۔ میں نے ابھی پرویز کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔''

حمید نے گھڑی کیطرف دیکھا سوا تین بجے تھے۔ اُس نے کہا۔ ''کیا پرویز بھی آپکا اسسٹنٹ ہے۔''

''حمید وقت نہ برباد کرو۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر ڈریسنگ الماری کھولی اور کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ خود ہی اُلو کا پٹھا ہے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ گھر سے روانہ ہو گئے۔ بارش ڈیڑھ بجے ختم ہو چکی تھی اور اب آسمان کھل گیا تھا۔ لیکن سڑکوں پر اب بھی پانی نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے اس وقت جیپ کار نکالی تھی۔

''پرویز سے تو آپ مل آئے تھے۔ پھر اَب....!'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی درمیان ہی میں بول پڑا۔ ''میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ تین بجے تک میرا یا میری کال کا انتظار کرے۔''

''کیوں....!''

''بس یونہی....میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح میرا یا میری کال کا انتظار کرتا ہے یعنی کس حال میں۔''

''اوہو....تو کیا آپ کو توقع تھی کہ وہ سر کے بل کھڑا ہو کر آپ کا انتظار کرے گا۔''

''نہیں....میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ بھی دیکھنا چاہتا تھا شائد اب نہ دیکھ سکوں کیونکہ مجھے فون کئے بغیر ہی وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔''

''میں سمجھا۔ آپ شائد سوچ رہے ہیں کہ یہ خود اُسی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔''

''امکانات ہیں۔ وہ لڑکی تو سونے کی چڑیا ہے۔ ہر ایک اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''مگر یہ صورت پرویز کے لئے فائدہ مند کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ زبردستی اس سے شادی تو نہ کر سکے گا۔''

''کیوں کیا ہوا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے فی الحال اُس نے اُسے غائب کر دیا ہو اور کچھ عرصہ بعد وہ میاں بیوی کی حیثیت سے منظر عام پر آ جائیں۔''

''زبردستی اغواء کرنا اور بات ہے اور زبردستی شادی کرنا اور.... کیا یہ ضروری ہے کہ سعیدہ اس
آمادہ ہی ہو جائے۔''

''میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ابھی محض خیال ہی ہے۔ وہ بھی اس بناء پر کہ اس کے
طلب گار تھے۔ ممکن ہے پرویز کو اُن میں سے کسی کے کامیاب ہو جانے کا خدشہ رہا ہو۔ پرویز یہ
سوچ سکتا ہے کہ وہ اس طرح اُسے اپنا سکے گا اور پھر یہ تو بتاؤ اگر ایک عورت کی زندگی زبردستی برباد کر
جائے اور پھر وہی آدمی اُس سے شادی کی درخواست کرے۔ ایسی صورت میں کیا وہ عورت ا
کر دے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گی۔''

''دیکھئے.... اس معاملے میں آپکے خیال کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ آپ عورتوں
متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''فرض کیجئے سعیدہ رحمان شریف عورت
ہے۔ یعنی جنس بے راہ روی اُسکے نزدیک کوئی بُری بات نہیں ہے۔ پھر آپکی فطرت شناسی کیا کہے گی
''دم بخود رہ جائے گی۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ''لیکن اُس صورت میں بھی
وہ اُس سے شادی ضرور کرلے گی۔ کیا بعض شادی شدہ عورتیں بھی جنسی بے راہ روی کا شکار
ہوتیں۔ اغواء ایک دھبہ ہے حمید صاحب جو زندگی بھر اپنا اعلان کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کوئی بُری عو
بھی ایسے مواقع پر شادی ہی کو ترجیح دے گی۔ وہ عورتیں جن کی برائیاں چھپی ہوئی ہوں خاص طو
یہی چاہیں گی کہ کسی ایک سے ان کے تعلقات کا اعلان ہو جائے.... رہی سعیدہ تو میرا خیال ہے کہ
میں اگر برائیاں تھیں تو منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ورنہ اُس کے طلب گاروں میں تھوڑی بہت ہچکچ
ضرور پائی جاتی۔''

''ہوگا.... مجھے کیا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اُس نے پوچھا۔ ''کیا اس بے سروپا کیس میں آپ کا دل لگ رہا ہے

''میں نے اسے اپنی خوشی سے نہیں لیا۔ یہ تو زبردستی آیا ہے۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی آپ میری اور اپنی نیندیں برباد کر رہے ہیں۔''

''وقتی ضرورت۔ یہ کسی بینک کی ڈکیتی کا قصہ تو ہے نہیں۔ ایک ذی روح لڑکی کے اغواء کا قصہ

''ٹھہریئے۔'' حمید بول پڑا۔ ''دیکھئے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ حرکت لڑکی کے کسی غریب عاشق کی ہ

''یہ بھی ممکن ہے۔ اس زاویئے سے بھی اس پر غور کر چکا ہوں۔ وہ پہلے ایک معمولی سی لڑکی تھی

ہے کسی معمولی سے آدمی سے اُس کے تعلقات رہے ہوں۔''

''محبت کا نام نہیں آئے گا زبان پر....'' حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

''چلو محبت ہی سہی۔'' اُس نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اچانک دولت مند ہو جانے کے بعد وہ کسی اونچے قسم کے شوہر کے خواب دیکھنے لگی ہو اور اُس معمولی آدمی کو یہ بات گراں گزری ہو۔''

''بس پھر واپس چلئے۔ چل کر سو جائیں۔ صبح اُس معمولی سے آدمی کو تلاش کریں گے۔''

وہ پرویز کی قیام گاہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے کار تھوڑے فاصلے ہی پر روک دی۔

وہ دونوں کار سے اتر گئے۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور بائیں باغ سنسان پڑا تھا۔ ایک آدھ کھڑکی میں روشنی بھی نظر آرہی تھی۔

برآمدے میں تاریکی نظر آئی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کر کے کال بل کا بٹن دبایا۔ دباتا ہی رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

''اُوہ.... اُس نے کہا تھا کہ میں آپ کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہوں گا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''میں پھر عرض کروں گا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہاں ملازمین بھی نہیں رہتے۔''

''پتہ نہیں۔ پہلی بار جب میں آیا تھا تب بھی کوئی نہیں نظر آیا تھا۔''

''پھر اب کیا ارادہ ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر ہم یونہی چلے چلیں تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور یہی مناسب بھی ہے۔''

''چلئے صاحب!'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''اوہ.... یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔'' فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''پھاٹک بھی بند نہیں تھا۔''

وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سکوت طاری تھا۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ سارے کمرے خالی پڑے ہوئے تھے۔ عمارت میں انہیں ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔ ساری کمپاؤنڈ چھان ماری اور اُسی دوران میں انہیں معلوم ہوا کہ نوکروں کے کوارٹر عمارت کی پشت پر موجود تھے۔

نوکروں کو جگایا گیا لیکن انہوں نے بھی پرویز کی موجودگی یا عدم موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔

انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اُس کی خدمت کے سلسلے میں کسی خاص وقت کے پابند نہیں ہیں۔ اکثر کئی کئی دن پرویز وہاں نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کی آمد اور روانگی کا انہیں علم تک نہیں ہوتا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے واپسی پر حمید سے سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی معقول آدمی کو تلاش کریں، لیکن کیا آپ سعیدہ کی قیام گاہ پر بھی گئے تھے۔''

''اب وہیں جانے کا ارادہ ہے۔''

''مر گئے۔'' حمید کراہا۔

سعیدہ پرنسٹن کے علاقے کے ایک شاندار مکان میں رہتی تھی۔ یہ مکان بھی اُس وکیل ہی کی وساطت سے اُسے ملا تھا جس نے اُس کے چچا کے کاغذات اُس کے سپرد کئے تھے۔ ورنہ وہ پہلے متوسط طبقہ کے لوگوں میں رہتی تھی۔ فریدی کی جیپ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور اُس نے اُتر کر کال بل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ غالباً وہ ملازم ہی تھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''جج.... جی ہاں.... مگر میں نے.... پہچانا نہیں حضور کو۔'' نوکر نے رک رک کر متحیرانہ انداز میں کہا۔

''اوہ.... ہم یہاں پہلی بار آئے ہیں۔ سعیدہ صاحبہ کو ہمارا کارڈ دو۔''

''وہ تو موجود نہیں ہیں جناب۔''

''کیا اس وقت.... ارے کیا وہ رات بھر یہاں تھیں ہی نہیں۔''

''نہیں جناب۔''

''ہم پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذرا ہم مکان کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کیا معاملہ ہے حضور! ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک صاحب آئے تھے۔ تھانیدار تھے شائد وہ آپ کو دیکھ کر گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بی بی جی کہیں غائب ہوگئی ہیں۔''

''اوہ.... کیا وہ تھانے دار صاحب وردی میں تھے۔''

''جی ہاں.... جناب۔''

''یہیں کے تھانے سے آئے تھے۔''

''نہیں جناب! کوتوالی سے آئے تھے۔ انہوں نے یہی کہا تھا۔''

''یہاں فون ہے۔''

''ہے.... جناب۔''

''میں کوتوالی فون کروں گا۔''

''آیئے.... اِدھر تشریف لے چلیئے۔'' وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

فریدی نے کوتوالی فون کیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ کوئی سب انسپکٹر سعیدہ رحمان کے گھر پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ فریدی ریسیور رکھ کر ملازم کی طرف مڑا۔

''انسپکٹر نے کیا دیکھا تھا۔''

''بی بی جی کے سونے کا کمرہ۔''

''تم ساتھ تھے۔''

''جی ہاں جناب۔''

''اُس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔''

''نہیں جناب۔''

''اُس نے کچھ سوالات بھی کئے ہوں گے تم سے۔''

''جی ہاں ملنے جلنے والوں کے بارے میں پوچھا تھا.... اور جی ہاں.... وہ ملاقاتیوں کے کارڈ بھی لے گئے۔''

''کیا مطلب....!''

''وہ کارڈ جو ملنے والے اندر بھجواتے تھے۔ ہر نئے ملاقاتی کا کارڈ بی بی جی بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''اوہ....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کیا اُس نے کارڈ مانگے تھے۔''

''جی نہیں انہوں نے ملنے جلنے والوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں کسی کے بھی نام نہیں جانتا اسلئے نہ بتا سکا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ بی بی جی تو اُنکے کارڈ بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''تو تم نے خود ہی کارڈوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''کارڈوں کی تعداد کیا تھی۔''

''میں نے گنے نہیں تھے مگر میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ضرور رہے ہوں گے۔''

''کیا تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔''

''نہیں حضور! ایک کا بھی نہیں۔''

''اچھا.... کیا آج شام کو وہ کسی کے ساتھ باہر گئی تھیں۔''

''جی نہیں.... تنہا۔''

''کیا یہاں کبھی کوئی ایسا آدمی بھی آیا ہے جو بہت زیادہ لمبا اور بہت زیادہ موٹا رہا ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں جناب....! ایسا تو کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔''

فریدی نے حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اُس کی دخل اندازی پسند نہ آئی ہو۔ حمید نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

''سعیدہ کے سارے ملنے والے بڑے آدمی ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں صاحب! اکثر بی بی جی کے دفتر کے لوگ بھی آتے ہیں۔ پہلے بی بی جی دفتر میں کام کرتی تھیں نا۔''

''تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکو گے۔''

''نہیں حضور! نام تو کسی کا بھی نہیں جانتا۔''

''اُن میں کوئی ایسا بھی ہے جو بہت زیادہ آتا ہو۔''

''جی ہاں! ایک صاحب ہیں لیکن نام اُن کا بھی نہیں جانتا۔ وہ بہت اچھا گاتے ہیں۔ بی بی اکثر اُن کا گانا سنا کرتی تھیں۔''

''اُسی دفتر کا کوئی آدمی ہے۔''

''جی ہاں! بی بی جی نے یہی بتایا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے لوگوں کا بہت خیال رکھتی ہیں۔''

''تم سعیدہ کے ساتھ کب سے ہو۔''

''جب سے وہ اس مکان میں آئی ہیں۔''

''تمہارے علاوہ اور کتنے ملازم ہیں۔''

''تین مرد اور ایک عورت.... ہم کل پانچ ہیں۔''

''سعیدہ کا کوئی عزیز بھی یہاں رہتا ہے۔''

''نہیں جناب! اُن کے بیان کے مطابق اُن کا کوئی عزیز نہیں ہے۔''

''اچھا.... کیا اُس انسپکٹر نے عمارت کا کوئی حصہ خاص طور سے دیکھا تھا۔''

''جی نہیں! بس وہ صرف ٹہلتے رہے تھے۔ پھر اُن کے سونے کے کمرے میں آ بیٹھے تھے۔ قریب قریب اسی قسم کے سوالات انہوں نے بھی کئے تھے جیسے آپ کر رہے ہیں۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اُس نے دوسرے نوکروں کو بھی طلب کیا اور اُن سے بھی علیحدہ علیحدہ مختلف قسم کے سوالات کرتا رہا۔

حمید اندازہ نہیں کر پایا کہ فریدی کیس کے متعلق کس نکتہ نظر کو ذہن میں رکھ کر یہ ساری پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ وہ خاموشی سے ساری کاروائی دیکھتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے پوری عمارت کی معمولی سی تلاشی لی اور اس تلاشی کے دوران میں حمید نے سوچا کہ وہ سعیدہ کے نام آئے ہوئے خطوط پر زیادہ دھیان دے رہا ہے۔ لیکن اب اُسے اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ اُس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

واپسی پر جیپ میں بیٹھتے وقت اس نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔ ''ہائے صبح ہو گئی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے حمید کی نیند غائب کر دی۔

''آخر آپ اتنی دیر تک کیا کرتے رہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کھیل لمبا ہو جائے گا شائد۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''آخر وزیٹنگ کارڈ لے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر آنے والا پولیس کی وردی میں تھا۔''

❁

دوسری صبح پرویز کی کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ وہ عجیب حالت میں تھا۔ لباس تار تار سا الجھے ہوئے اور چہرے پر بڑی بڑی خراشیں۔

نوکروں نے اُسے اگر ایک شاندار گاڑی سے نہ اترتے دیکھا ہوتا تو شائد دھکے مار مار کر کمپاؤنڈ سے باہر کر دیتے۔

''میرے پاس اس وقت میرا کارڈ نہیں ہے۔'' اُس نے ایک نوکر سے کہا۔ ''کرنل صاحب سے

کہو پرویز صاحب ہیں.... جلدی کرو۔"

نوکر اندر چلا گیا اور جلد ہی واپس آ کر اس نے اندر چلنے کو کہا۔

فریدی نے بھی ڈرائنگ روم میں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی آنکھیں خمار آلود ضرور تھیں لیکن وہ شب خوابی کے لباس میں نہیں تھا۔

پرویز کی حالت دیکھ کر اُس نے حیرت نہیں ظاہر کی۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔" پرویز نے کہا۔

"اس سے زیادہ بُرے حالات میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرے خدا۔" پرویز مضطربانہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"کیسا شبہ مسٹر پرویز....!"

"کچھ نہیں آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تین بجے آؤں گا یا فون کروں گا۔"

"ہاں مسٹر پرویز.... میں نے فون بھی کیا تھا.... اور گیا بھی تھا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

"اور اب میں اس حال میں آپ کے سامنے ہوں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کچھ لوگ زبردستی میری قیام گاہ سے لے گئے تھے۔ یہ ڈھائی بجے کا واقعہ ہے۔"

فریدی خاموش رہا.... صرف جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پرویز بولا "انہوں نے زبردستی کی۔ میں لڑ گیا۔ وہ پانچ تھے اور میں تنہا۔ انہوں نے میرے منہ میں کپڑا ٹھونس کر آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور نہ جانے کہاں لے گئے۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو ایک عمارت میں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ شہر کے کس حصے میں تھا۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑے میرا منہ نوچا.... پھر.... مجھے شراب پلائی.... اور میرے پاس دو لڑکیاں چھوڑ گئے جو مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے شراب پلاتی رہیں۔ میرا دل بہلانے کے لئے مدہم سروں میں گیت گاتی رہیں۔ میں ایک ستون بندھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھ سے لگاوٹ کی باتیں کرتی رہیں پھر میرے گالوں پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ کبھی وہ روتیں اور کبھی ہنستیں، کبھی مجھے پیار کرتیں اور کبھی تھپڑ مارنے لگتیں۔"

"پھر اتنے میں سند باد جہازی داخل ہو کر رنش بجا لایا اور مجرا کرنیکا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن سے قوالیاں نشر ہونے لگیں اور اُس نے مجرا کرنے کا ارادہ ترک کر کے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔"

پرویز خاموش ہو کر کیپٹن حمید کو گھورنے لگا تھا جو دروازے میں کھڑا مضحکانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔

"پھر سند باد نے صندوق پیش کیا جس میں صندلیپ کی شہزادی بیٹھی لوڈو کھیل رہی تھی۔"

"میں جانتا تھا کہ کوئی میری کہانی پر یقین نہیں کرے گا۔" پرویز نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دس بجے تک سعیدہ رحمان کو گھر پہنچ جانا چاہئے مسٹر پرویز۔" حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے علم ہے کہ قاسم آپ کے دوستوں میں سے ہے۔" پرویز غرایا۔ "کیس غلط آدمیوں کو دیا گیا ہے۔"

"اور اب آپ اُسے صحیح آدمیوں کے سپرد کرائیں گے۔ کیوں مسٹر پرویز۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً....!"

"بہتر ہے تشریف لیجایئے۔" حمید بولا۔

"نہیں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کی کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے مسٹر پرویز۔"

"کیا جائے.... یا نہ کیا جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن واقعے کی رپورٹ تو آپ ہی کی طرف سے دی گئی تھی۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اس لئے آپ کو پرواہ ہونی چاہئے۔"

"کیپٹن حمید میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ اب غسل کیجئے۔ یہ کپڑے اتاریئے۔ حمید انہیں اندر لے جاؤ۔ جب یہ غسل کر لیں تو انہیں اُن کمرے میں لے جاؤ جہاں شرابوں کا اسٹاک رہتا ہے۔ الماریوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دو۔ جتنی دل چاہے پئیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" پرویز نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا آپ نے یہ سوال ان لوگوں سے بھی کیا تھا۔"

"کیا تھا۔"

''کیا جواب ملا تھا۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''لہٰذا آپ بے چوں و چرا وہی کیجئے جو آپ سے کہا جا رہا ہے۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' پرویز بڑبڑایا۔

''پاگل ہو جانے کے بعد بھی اگر آپ اس الزام سے گردن بچا سکیں تو مجھے حیرت ہوگی۔'' فریدی نے کہا۔ ''عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے اور اگر یہ بے تکی کہانی اخبارات میں آ جائے تو پھر کیا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔ اسے کوئی بھی باور نہ کرے گا۔''

''اس لئے یہ کہانی اخبارات میں ضرور آئے گی۔''

پرویز خاموشی سے فریدی کو گھورتا رہا۔ اب تو سچ مچ اُس کی آنکھوں سے دیوانگی سی جھلکنے لگی تھی۔ حمید بھی متحیرانہ انداز میں فریدی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا رویہ اُس کیلئے کسی معمے سے کم نہیں تھا۔

''اور آپ.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''علانیہ لوگوں سے یہ کہتے پھریں گے کہ اس اغواء کا تعلق خان بہادر عاصم کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہو سکتا۔ جائیے! غسل کیجئے۔''

چیلنج

دن بھر کی تھکن کے باوجود بھی حمید نیاگرہ میں بڑی شاندار اسکیٹنگ کر رہا تھا۔

اس تھکن کے عالم میں وہ کسی تفریح گاہ کا رخ ہرگز نہ کرتا لیکن اُسے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا لہٰذا اُس ذہنی انتشار سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُسے نیاگرا ہوٹل کا رخ کرنا پڑا۔ ذہنی انتشار کا باعث فریدی ہی تھا۔

اُس نے پرویز کو شراب پلائی اور اس دوران میں اُسے خان بہادر عاصم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ پرویز نے نشے کے عالم میں کہا کہ وہ عاصم کو قتل کر دے گا۔ اس پر فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ اس کے بجائے اُسے عاصم کی بے عزتی کرنی چاہئے۔ طریقہ کار یہ تجویز کیا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو کر اس کمپاؤنڈ میں پتھراؤ کرے اور ساتھ ہی سعیدہ رحمان کو باہر نکالنے کا مطالبہ بھی کرتا رہے۔

پرویز نے ہامی بھر لی اور حمید اُسے کار میں بٹھا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی کے قریب چھوڑ آیا۔

انجام دیکھنے کے لئے وہ وہاں رک نہیں سکتا تھا۔

پھر اُسے ایک ہی گھنٹہ بعد اطلاع ملی کہ عاصم رائفل لے کر باہر نکل آیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرا دیا کہ پرویز نشے میں ہے۔ ویسے عاصم نے پولیس ضرور طلب کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد پرویز کو یقینی طور پر حوالات ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں پرویز نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ اُس نے فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

حمید لاکھ سر مارتا رہا کہ فریدی کم از کم اس حرکت کا مقصد تو بتا ہی دے لیکن اُس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نیاگرا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں مل سکا تھا جس سے ذہنی کوفت ہی دور کرنے میں مدد ملتی۔ لہٰذا اس نے اسکیٹنگ شروع کر دی۔ وہاں شائد صرف وہی تنہا اسکیٹنگ کر رہا تھا ورنہ عموماً جوڑے ہی ریکریئیشن ہال کے فرش پر تیرتے نظر آتے تھے۔

وہ اس طرح تنہا اسکیٹنگ کرنے میں بھی بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا لیکن کرتا بھی کیا۔ اُس کے گرد و پیش سریلے قہقہے فضا میں لہرا رہے تھے۔ کبھی کبھی نسوانی چیخیں آرکسٹرا سے ہم آہنگ ہوتیں اور پھر قہقہوں میں تبدیل ہو جاتیں۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ حمید گیلری میں آ بیٹھا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا اسے کہیں بھی کوئی ''لاوارث'' لڑکی نظر نہ آئی جس سے وہ اپنا پارٹنر بننے کی درخواست کر سکتا۔

وہ آج بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ پچھلی رات کی نیند اب بھی اُس پر اُدھار تھی کیونکہ دن میں بھی دو گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکا تھا۔

اگلی میز کے قریب بھی تین لڑکیاں تھیں مگر بیکار کیونکہ ان کے ساتھ تین مرد بھی تھے۔ حمید آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ لیکن جلد ہی اُس کے کان اُن تین جوڑوں کی گفتگو کی طرف لگ گئے۔ تذکرہ سعیدہ رحمان کا تھا۔ لڑکیاں اُس کی خوش قسمتی اور بدنصیبی پر رائے زنی کر رہی تھیں۔

''یہ کام پرویز ہی کا ہے۔'' مرد نے کہا۔

''کسی کی بھی حرکت ہو۔ میں اسے فضول سمجھتا ہوں۔'' دوسرا بولا۔ ''اس حرکت سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔''

''میں سعیدہ کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''وہ بہت ضدی اور خودسر ہے۔

ایک بار اُس نے جیمس اینڈ بارٹلے کے اکاؤنٹنٹ پر پیپر ویٹ کھینچ مارا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی ملازمت بحال رہی تھی۔

''کیوں....؟'' ایک نے پوچھا۔

''دراصل منیجر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔''

''کیوں.... کیا یہ حرکت اُس کے کسی پرانے دوست کی نہیں ہوسکتی۔'' ایک مرد نے کہا۔

''ہوسکتی ہے۔ میں بھی اُس آفس میں کچھ دن کام کرچکی ہوں۔ لیکن وہاں کی غنڈہ گردیوں سے تنگ آکر میں نے ملازمت ترک کردی تھی۔ وہاں کئی بڑے آدمی ہیں۔ خصوصیت سے ایک آدمی آرتھر.... یہ ایک دیسی عیسائی ہے۔ فلم ایکٹروں کے سے انداز میں رہتا ہے۔ کچھ گا بھی لیتا ہے سعیدہ سے اس کی بہت گہری دوستی تھی۔''

''اوہ.... ہٹاؤ۔'' ایک مرد ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہمیں اس بکواس سے کیا سروکار۔ سعیدہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔''

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے پھر اسکیٹ پہنے اور نیچے فرش پر اتر گیا۔ ایک کے تین چکر لگانے کے بعد اُسے ایک لڑکی نظر آئی یہ بھی تنہا اسکیٹنگ کررہی تھی۔ ایک دبلی پتلی اور کم سن لڑکی۔ اُس کے چہرے پر گہرے سرخ ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی تربوز میں شگاف دے کر اُس کی اندرونی سرخی تھوڑی سی جگہ پر ابھار دی گئی ہو۔

حمید نے سوچا چلو یہی سہی۔

وہ ایک بار اُس کے قریب سے بہت تیزی سے گذرا اور اس انداز میں جیسے اس سے ٹکرا جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ لڑکی اُسے دور تک گھورتی چلی گئی۔ حمید اس چکر میں تھا کہ کسی بار وہ خود ہی اُسے اپنا پتا پیش کرے۔

تین بار وہ اُس کے قریب سے گذرا اور چوتھی بار اس طرح چڑھ دوڑا جیسے سچ مچ ٹکرا جائے گا۔ لڑکی نے بچ کر نکلنا چاہا لیکن گڑبڑا گئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بے بسی سے ہلائے۔

''اوہ.... اوہ.... سنبھلئے۔'' حمید اُس کے دونوں ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ وہ دور تک اُس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

حمید نے اُس کے ہاتھ پھر نہیں چھوڑے۔ لڑکی قہقہے لگاتی رہی۔ اُس کی آواز بڑی سریلی تھی۔

کہ اگر حمید اُس کی شکل دیکھے بغیر آواز سنتا تو مہینوں صرف دیکھ ہی لینے کے چکر میں گذر جاتے۔ وہ دونوں خاموشی سے اسکیٹنگ کرتے رہے۔ حمید کا چہرہ نہ جانے کیوں بالکل سپاٹ نظر آنے لگا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی سی تھیں۔ ویسی ہی جیسی اندھوں کی ہوتی ہیں۔

چونکہ حمید نے ابھی تک اُس سے گفتگو نہیں کی تھی اس لئے لڑکی شائد اُس سے بات کرنے میں ہچکچا رہی تھی۔

''آپ بہت اچھی اسکیٹنگ کرتے ہیں۔'' لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''جی.... او.... ہاں.... پتہ نہیں کیسی کرتا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔''

''میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ مجھے گرا نہ دیں۔''

''اوہ بعض اوقات غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ سچ مچ گر پڑی ہوتیں۔ میں نے یک بیک یہی محسوس کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے سنبھال لیا۔ شکریہ۔''

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ایک اندھا کسی کے کام آسکے تو اُسے خوشی ہوگی۔''

''اندھا۔'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھی۔''

''میں اندھا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں خود کو محسوس کرسکتا ہوں دیکھ نہیں سکتا۔''

لڑکی ہنسنے لگی۔

''اوہ.... شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔ جو لوگ مجھے نہیں جانتے وہ اسی طرح ہنسنے لگتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ کوئی اندھا اسکیٹنگ کیسے کرسکتا ہے۔ آپ بھی یہی سوچ رہی ہوں گی لیکن میں آپ کی حیرت رفع کرسکتا ہوں۔ مجھے آپ دکھائی دیتی ہیں مگر ایک پرچھائیں کی طرح زرد رنگ کے پس منظر میں ایک تاریک پرچھائیں۔ اس وقت میرے گرد و پیش بے شمار پرچھائیاں بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اُن کے خدوخال کیسے ہیں۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔''

''میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی غمناک آواز میں کہا۔

''کیا ہمیشہ سے آپ کی آنکھیں ایسی ہی ہیں۔''

''نہیں پندرہ سال کی عمر تک میں نے دنیا دیکھی ہے۔ اس کے بعد اچانک بیمار پڑا اور یہ حالت

ہوگئی۔ اب ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اپریشن ہو سکے گا۔ اُس وقت تک مجھے تاریکی میں رہنا ہے۔ اسکیٹنگ سے مجھے عشق ہے۔ دس سال کی عمر سے اسکیٹنگ کرتا آیا ہوں۔''

''آپ یہاں تک تنہا آتے ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کبھی تنہا آتا ہوں اور کبھی ایک نوکر ساتھ ہوتا ہے۔ میں چل سکتا ہوں لیکن روشنی ہی میں۔ اندھیرے میں ایک قدم بھی نہ چل سکوں گا۔''

''میرا دل کڑھتا ہے آپ کے لئے۔''

''آپ بہت اچھی ہیں کاش میں آپ کو دیکھ سکتا۔''

لڑکی کچھ نہ بولی اور پھر یہ راؤنڈ بھی ختم ہوگیا۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر چاروں طرف سر گھماتا رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''بائیں طرف کی گیلری میں.... چھٹویں میز۔''

''کیا میں آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں بس میرے ساتھ چلئے۔ میرے ساتھ بیٹھئے۔ اندھے کو کوئی بھی منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔''

''چلئے! میں بیٹھوں گی آپ کے ساتھ۔''

وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری میں لے آئی اور چھٹویں میز پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔

وہ لڑکی ایسی ہی بدصورت تھی کہ حمید مستقل طور پر اندھا بنا رہنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے آدمی کی فطرت پر غصہ آ رہا تھا۔ آدمی جو تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ تنہائی رفع کرنے کے لئے کوئی بھی مل جائے خواہ بعد کو وہ آدمی کے بجائے ٹین کا کنستر ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

''آپ کے گھر میں اور کون کون ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کتے.... بلیاں.... پرندے اور ملازمین۔''

''والدین۔''

''نیراسکا میں ہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''پاپا آئس کریم پر ریسرچ کر رہے ہیں اور ممی پروفیسر اطفال کے ٹریننگ لے رہی ہیں۔''

''بھائی بہن۔''

''پتہ نہیں۔ اب اس تذکرے کو ختم کیجئے۔''

''آپ مجھے بہت دیر سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

''آپ نے کم بیوقوف بنایا ہے مجھے۔'' حمید اسکیٹس اتارتا ہوا بولا۔ اُسے الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے۔''

''آپ کیا بیوقوف بنائیں گی۔ بیوقوف یا عقل مند پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔''

''تو آپ اندھے نہیں ہیں۔''

''آپ خود ہوں گی اندھی۔'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ لڑکی ہکا بکا رہ گئی۔ پھر اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ پھر حمید بھی ہنسنے لگا اور اُس نے کہا۔ ''جو لڑکیاں مجھے منہ چڑھاتی ہیں اُن سے میں اسی طرح بدلہ لیتا ہوں۔''

''میں نے کب منہ چڑھایا تھا۔'' لڑکی بھی جھنجھلا گئی۔

''چڑھایا تھا.... میں اندھا نہیں ہوں۔''

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' لڑکی نے کہا اور میز سے اٹھ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ ویسے اب اُسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اُس نے ایک بدصورت لڑکی کا دل توڑ دیا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوگیا کہ اگر وہ خود بدصورت ہوتا تو کوئی کانی، لنگڑی، لولی لڑکی بھی اُسے لفٹ دینا پسند نہ کرتی۔

پھر اب وہ کیا کرے.... کہاں جائے.... نیند سے تھکا ہوا ذہن تفریح سے بھی بہت جلد بیزار ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کہاں، نیند کی تلاش میں گھر ہی کی راہ لی جا سکتی تھی اور گھر پر موت تو آ سکتی تھی مگر نیند.... کبھی نہیں.... جب تک اُس کے کمرے میں فون موجود تھا وہ سو نہیں سکتا تھا۔

اُس نے دو چار اوٹ پٹانگ قسم کی گالیاں اپنے مقدر کو دیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ ٹیکسی پر یہاں تک آیا تھا۔ لہٰذا اب اُسے کسی ایسی ٹیکسی کا انتظار کرنا تھا جو یہاں خالی ہو کر شہر کی طرف واپس جائے۔ نیاگرہ شہر سے تقریباً چھ یا سات میل کے فاصلے پر تھا۔

یہاں ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں نہیں داخل ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا حمید کو پھاٹک پر آ جانا پڑا۔ دور تک سڑک ویران پڑی تھی۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔

کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی اور کار کے اندر اندھیرا تھا۔ باہر سے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہوں گے۔ ویسے بھی رات کافی تاریک تھی۔ اگر آسمان میں بادل نہ ہوتے تو تاروں کی چھاؤں بڑی خوشگوار ہوتی۔

''اوہو.... یہ کون تھا.... ذرا آہستہ چلو۔'' کسی نے کہا۔ ''اور گاڑی کو پھر بائیں جانب تھوڑا سا ترچھا کرو۔''

ہیڈ لائیٹس کی روشنی درختوں کے تنوں سے رینگ کر نیاگرا کے پھاٹک پر پڑی اور پھر اُسی آدمی کی آواز آئی۔ ''بلاشبہ وہی ہے۔''

''کون؟'' کسی دوسرے نے سوال کیا۔

''کیپٹن حمید.... آج اس کا یہاں کیا کام۔''

''اوہ.... تو کیا.... تو انہیں علم ہے کہ....!''

''اگر ہے تو کیا.... نہیں ہے تو کیا۔ یہ لوگ ذہین ضرور ہیں مگر... اے.... کار آگے نکال لے چلو۔''

کار نیاگرا کے پھاٹک کے سامنے سے گذر گئی۔

کچھ دور چلنے کے بعد کار رکوا دی گئی اور کسی نے کہا۔ ''ڈکسن! تم دیکھو! کیا قصہ ہے۔''

ایک آدمی کار سے اترا چند لمحے کھڑا نیاگرہ کے پھاٹک کی طرف دیکھتا رہا پھر چل پڑا۔ وہ حمید کے قریب ہی سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوا تھا۔ وہ کسی مغربی ملک کا باشندہ تھا۔

حمید نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس دوران میں نہ جانے کتنے اُس کے قریب سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوئے تھے۔

وہ غیر ملکی آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر شائد اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک گذرنے والے نے اُسے دھکا دیا.... وہ اس توقع پر اس کی طرف مڑا کہ شائد اب وہ معذرت کرے لیکن معذرت کرنے کی بجائے وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

''چپ چاپ میرے ساتھ چلو ورنہ میرے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کا رخ تمہاری طرف ہے اور ایسی صورت میں اگر انگلی بھی ٹریگر پر نہ ہو تو میں خود کو چڑی مار سمجھوں گا۔''

اُس کو دھمکانے والا بھی سفید فام ہی تھا.... اس نے پھر کہا۔ ''سیدھے چلو۔''

کار سے اُترنے والا چپ چاپ دوسری طرف مڑ گیا۔ اُسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

اوپر منزل کے زینوں کے قریب پہنچ کر دھمکانے والا بولا۔ ''اوپر.... ہاں ٹھیک ہے سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

دونوں زینے طے کرنے لگے۔ دھمکانے والا اُس کے برابر ہی تھا اور اب اُس کے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال دوسرے آدمی کے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

''آج موسم کل سے بہتر ہے۔'' اس نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے دوسرے آدمی کو صرف یہی اطلاع دینے کیلئے اوپر لے جا رہا ہو۔

کار سے اترنے والا کچھ بولے بغیر زینے طے کرتا رہا۔ اوپر پہنچ کر اُسے بائیں جانب مڑنے کو کہا گیا۔ اُن نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ پھر وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔

دھمکانے والے نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی اور دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

کار سے اترنے والے کو اندر دھکا دیتے ہوئے کہا گیا۔ ''شکار۔''

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ''شکار'' کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

''آہا.... یہ تو ڈکسن ہے۔'' ایک نے شکار کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فنچ کا ساتھی۔''

''پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔'' ڈکسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم غلط فہمی ہی میں مبتلا ہوں گے۔'' دوسرا آدمی بولا۔ ''لیکن تم یہ ضرور بتاؤ کہ فنچ کہاں ہے۔''

''میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔''

''تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔'' ایک آدمی بولا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ ایک امن پسند آدمی سے الجھ رہے ہو۔'' ڈکسن نے کہا۔

''اس کے کپڑے اتار کر ٹھنڈا پانی ڈالو۔'' ایک آدمی نے مشورہ دیا۔

ٹھیک اُسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ لوگ چونک کر مڑے ہی تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک بہت لمبا آدمی جھک کر اندر داخل ہوا۔ شائد وہ باہر سے قفل کھول کر اندر آیا تھا کیونکہ ڈکسن کے اندر آجانے پر دروازہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ لمبے آدمی نے اپنے اوور کوٹ کا کالر اٹھا رکھا تھا۔ اسلئے اُسکا چہرہ صاف نہیں نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال اُن لوگوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''فنچ حاضر ہے دوستو۔'' اُس نے چبھتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

''فنچ....!'' چاروں نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر قہقہے لگائے۔

''تم شائد اس معجزے پر ہنس رہے ہو۔'' لمبے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فنچ تو ننھا سا آدمی تھا....کیوں؟ اچھا ادھر دیکھو۔''

اُس نے اپنے کوٹ کا کالر گرا دیا اور جو چہرہ روشنی میں آیا وہ فنچ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ چھوٹا سا چہرہ جس پر لاتعداد جھریاں تھیں۔

''تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جا رہے ہو۔ یہ بُری بات ہے۔'' لمبے آدمی نے کہا۔ ''ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو اور تم ڈکسن کمرے کی تلاشی لو۔ آج کل ہم لوگ مفلسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ بہت دولت مند آدمی ہے کیوں دوستو!''

کوئی کچھ نہ بولا۔ ڈکسن نے کمرے میں رکھے ہوئے سوٹ کیس کھولنے شروع کر دیئے۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی میز پر نوٹوں کی کئی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ یہ سب بڑے نوٹ تھے۔ رقم تیس چالیس ہزار سے کم نہ رہی ہوگی۔

''انہیں میری جیبوں میں رکھ کر.... تم کمرے سے باہر نکل جاؤ ڈکسن۔'' لمبے آدمی نے کہا۔ ڈکسن نے یہی کیا۔ وہ چاروں حیرت سے منہ کھولے کھڑے رہے۔ کبھی وہ لمبے آدمی کا دیکھتے اور کبھی اُس کے قد کا جائزہ لینے لگتے۔

''سنو دوستو!'' لمبے آدمی نے انہیں مخاطب کیا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ جہاں کہیں بھی ہو اُسے میرا پیغام دو۔ اس سے کہنا۔ فنچ نے کہا تھا کہ تمہارے زوال کے دن قریب آ گئے ہیں۔ ایک حقیر سا کیڑا سرکس میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا دنیا کے خوفناک ترین آدمی ڈاکٹر ڈریڈ کے پرخچے اڑا دے گا۔''

دفعتاً اُس کے ریوالور کی نال سے دھواں نکلا اور وہ چاروں اُس کے خطرناک نتائج سے ہونے کے لئے تنہا رہ گئے۔

بلیک میلر

دوسری صبح نیاگرہ کے منیجر کے لئے بڑی پریشان کن تھی جب کمرہ نمبر ۵۳ سے تین قریب آدمیوں کے ساتھ ایک لاش بھی برآمد ہوئی۔

وہ تینوں اس قابل نہیں تھے کہ بیان دے سکتے۔ معاملہ چونکہ غیر ملکیوں کا تھا اس لئے

پولیس حرکت میں آ گئی۔ محکمہ سراغرسانی سے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور لیفٹیننٹ سنگھ جائے واردات پر پہنچے۔

تین آدمیوں کو طبی امداد کے لئے وہاں سے ہٹایا جا چکا تھا۔ البتہ لاش اب تک وہیں پڑی تھی اور پولیس ہاسپٹل کا انچارج اُس کے قریب موجود تھا۔

اُس نے اُسے بتایا کہ موت کسی زہریلی گیس کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔

ریکھا اور سنگھ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سارے صندوق کھلے پڑے تھے۔ اکثر کا سامان بھی فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے منیجر کو طلب کیا۔

''اس واقعہ کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔'' ریکھا نے اُس سے پوچھا۔

''کوئی صاحب ملنا چاہتے تھے۔ اُن کی کال آئی تھی کمرہ نمبر ۵۳ کے لئے۔ کمرہ نمبر ۵۳ سے سلسلہ ملا دیا۔ کچھ دیر بعد ان صاحب نے آپریٹر کو مخاطب کر کے کہا کہ کمرہ نمبر ۵۳ سے جواب نہیں مل رہا۔ ایک ویٹر اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اوپر گیا اور اُس نے دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ ایک آدمی آدھا کمرے کے اندر اور آدھا باہر پڑا ہوا تھا۔

''قریب و جوار کے کسی آدمی نے کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع نہیں دی تھی؟'' سنگھ نے پوچھا۔

''نہیں جناب! میرا خیال ہے کہ اُس آدمی نے ویٹر کے پہنچنے سے کچھ ہی دیر قبل دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تھی۔''

''یہ کب سے یہاں تھے۔''

''تقریباً دو ماہ سے۔ دراصل کمرہ تو ایک ہی آدمی نے لیا تھا۔ لیکن پھر تین آدمی اور آ گئے تھے۔''

''کیا یہاں کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک کمرے میں.... مگر ٹھہریئے۔ یہاں مسہری تو ایک ہی ہے۔'' سنگھ نے حیرت ظاہر کی۔

''بقیہ آدمی شائد فرش پر سوتے تھے۔'' منیجر بولا۔

''کیا نیاگرا جیسے بڑے ہوٹلوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔''

''نہیں جناب ہوتا تو نہیں ہے۔ مگر مجبوری.... یہ لوگ اسی پر مصر تھے کہ ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔''

''کیا یہ حفظانِ صحت کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔''

منیجر کچھ نہ بولا۔

ریکھا نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا رجسٹروں میں ان لوگوں کے اندراجات باقاعدہ سے ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''پاسپورٹوں کے متعلق تفصیلات آپ کے رجسٹروں میں موجود ہیں۔''

''جی ہاں! موجود ہیں۔''

''رجسٹر منگوایئے۔''

منیجر فون کی طرف بڑھا اور ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں یہاں آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔''

''اوہ.... معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں تھا۔ میں خود ہی لا رہا ہوں رجسٹر۔''

انہوں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔

''کیا خیال ہے؟'' سنگھ نے ریکھا سے پوچھا۔

''فی الحال کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی ہی کسی حماقت کا شکار ہوئے ہیں۔'' سنگھ نے کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی خطرناک قسم کی گیس سے خود ہی شغل کیا ہو۔''

''ہاں.... آں.... یہ بھی ممکن ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک یہاں کوئی ایسی چیز نہیں نظر آئی جسے گیسوں کو مقید رکھنے کا آلہ سمجھا جا سکے۔ اگر اُن کے پاس کسی قسم کی گیس تھی تو انہوں نے کس طرح اُسے محفوظ رکھا تھا۔''

''اوہو! اس کا تو خیال ہی نہیں تھا۔'' سنگھ جلدی سے بولا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''تاوقتیکہ ان میں سے کوئی بیان دینے کے قابل نہ ہو جائے ہم اندھیرے ہی میں رہیں گے۔'' ریکھا بولی۔

''افسوس کہ حمید یہاں موجود نہیں ہے ورنہ اس اندھیرے سے بہت فائدہ اٹھاتا۔'' سنگھ مسکرایا۔

ریکھا کچھ نہ بولی۔ وہ اُس لاش کو گھور رہی تھی جو اب بھی وہاں موجود تھی۔ البتہ ڈاکٹر جا چکا تھا۔

وہ دونوں کمرے سے راہداری میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد منیجر بھی رجسٹر سمیت آ گیا۔ لیکن اس بار وہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا اور اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''کیا بات ہے!'' سنگھ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تینوں بھی مر گئے جناب۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

''ارے....!''

''جی ہاں.... ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔''

چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سنگھ نے اُس کے ہاتھ سے رجسٹر لے لیا۔ ان چاروں کے متعلق تفصیلات دیکھیں اور رجسٹر کو ریکھا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ان کے متعلق ویزا سیکشن سے معلوم کرو۔''

ریکھا رجسٹر لئے ہوئے نیچے چلی گئی۔ سنگھ پھر کمرے میں آیا اور نئے سرے سے دیکھ بھال شروع کر دی۔ اُسے دراصل اُن چاروں کے پاسپورٹوں کی تلاش تھی لیکن پندرہ یا بیس منٹ تک جھک مارنے کے باوجود بھی پاسپورٹ نہ مل سکے.... اتنے میں ریکھا بھی واپس آ گئی۔

''یہ لوگ تو فراڈ تھے۔'' اس نے کہا۔

''کیا....؟''

''میں نے ویزا سیکشن کو فون کیا تھا۔ وہاں ان لوگوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے مگر ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کہتے ہیں کہ وہ دو ماہ پہلے کیناڈا سے آئے تھے۔''

''چلو.... جان چھوٹی....!'' سنگھ نے ایک طویل سانس لی۔

''کیوں جان کیوں چھوٹی۔''

''یہ سو فیصدی کرنل فریدی کا کیس بن گیا ہے۔ ایسے کیس ہمیں ملتے ہی کب ہیں۔''

''نہیں شائد یہ ہمارا ہی کیس ہے کیونکہ ان کے پاس سعیدہ رحمان کا کیس ہے۔''

''وہ کسی اور کو مل جائیگا۔ اُسمیں کوئی خاص پیچیدگی بھی نہیں ہے۔ سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔''

❁

کرنل فریدی بیرسٹر کیلاش ورما کے آفس میں داخل ہوا۔ بیرسٹر نے بڑی گرم جوشی سے اُسے خوش آمدید کہا اور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''تشریف رکھئے جناب! کیسے تکلیف فرمائی۔''

''سعیدہ رحمان کے سلسلے میں۔''

''یہ واقعہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔''

''ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ آپ کی موکلہ تھی۔''

''صرف یہی نہیں کرنل.....وہ میری بچی تھی.....اُسکی تعلیم وتربیت میرے ہی ہاتھوں سے ہوئی تھی۔''

''اس سلسلے میں یہ نئی بات سن رہا ہوں۔ وہ کس طرح جناب؟''

''اُس کا باپ میرے یہاں منشی تھا۔ یہ بچی چھوٹی ہی تھی کہ اس کی ماں مرگئی۔ منشی نے دو شادی نہیں کی۔ وہ بڑا نیک آدمی تھا۔ میری بیوی نے بچی اُس سے لے لی اور ہمارے ہی بچوں ساتھ اُس کی پرورش بھی ہونے لگی۔ جب وہ دس سال کی ہوئی تو بیچارہ منشی بھی چل بسا لیکن ہمارے ہی ساتھ رہی۔ پھر سن بلوغ کو پہنچنے پر وہ خود ہی ہم سے علیحدہ ہوگئی۔ ہمیں اس کا ملال بھی ہوا۔ ہم نے سوچا ممکن ہے ہمارے ساتھ رہنے سے اُس کے مستقبل پر کوئی بُرا اثر پڑے مگر وہ دن میر لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔''

کیلاش ورما کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چند لمحے اسی انداز میں میں فریدی کی طرف دیکھتا کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔ ''وہ دن جب جیکا کے ایک وکیل کا بیان موصول ہوا کہ سعیدہ ایک بہت ہی مالدار چچا کی وارث قرار پائی ہے۔ کرنل آپ سوچئے تو سہی کتنی حیرت انگیز بات سعیدہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کا وہ آوارہ گرد چچا جو بچپن ہی میں گھر سے فرار ہوگیا تھا اتنی بڑی خوش نصیبی کا باعث بنے گا۔''

''کبھی سعیدہ کے باپ نے بھی اپنے کسی بھائی کا تذکرہ کیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اگر کیا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں کرنل.....لیکن سعیدہ کا بیان ہے کہ وہ اکثر اُس بھائی کا تذ کرتا تھا۔''

''کیا آپ اُس وکیل سے ذاتی طور پر واقف ہیں جس کا پیغام آپ کو موصول ہوا تھا۔''

''ہرگز نہیں۔ اس بات پر تو اور زیادہ حیرت بھی ہے اور پھر میں کسی بین الاقوامی حیثیت بھی نہیں کہ ساری دنیا کے لوگ مجھ سے واقف ہوں۔''

''پھر آپ اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ کرم رحمان اپنی بھائی اور بھتیجی کے متعلق ہمیں

زین معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ یعنی اُسے معلوم تھا کہ بھائی مر چکا ہے اور بھتیجی فلاں جگہ پر ہے پناہی جیمس آلڈن نے مجھے یہی لکھا ہے کہ کرم رحمان کے مرتب کئے ہوئے وصیت نامے کے مطابق اگر سعیدہ ہی ساری املاک سعیدہ رحمان کے نام منتقل کردی گئی ہے۔''

''کچھ رقم ملی بھی ہے اُسے۔''

''جی ہاں.....فی الحال تیس ہزار روپے ملے ہیں الائیڈ بنک کے توسط سے۔ ویسے حقیقتاً یہ لڑکی ارب پتی ہوگئی ہے۔ فی الحال ایسی دشواریاں آپڑی ہیں جن کی بناء پر تھوڑا ہی تھوڑا سرمایہ اس طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اگر سعیدہ جیکا چلی جائے تو اسے حقوق شہریت بھی مل جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ کو یہی کرنا پڑے گا۔ خود جیمس آلڈن کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ وہاں کی حکومت اتنا بڑا سرمایہ ہرگز وہاں سے منتقل نہ ہونے دے گی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ وہ کاغذات مجھے دکھا سکیں گے۔''

''ضرور ضرور.....!'' کیلاش ورما نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

''قریشی صاحب سے سعیدہ رحمان کا فائیل لاؤ۔''

فریدی خاموشی سے اُس کے حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ چپراسی جاچکا تھا۔ کبھی کبھی کیلاش ورما بھی فریدی پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔

تھوڑی دیر بعد فائیل آگیا اور کیلاش نے اس میں سے کچھ کاغذات نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ فریدی انہیں دیکھتا رہا پھر یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا بہت بہت شکریہ۔''

وہ کیلاش ورما کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر جاچکا تھا۔

❁

گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا دیر سے اُس کی منتظر ہے۔ وہ سیدھا ڈرائینگ روم میں پہنچا گیا۔

فریدی کو پہلے ہی سے علم تھا کہ وہ اور سنگھ نیا گرا کے کسی کیس کی تفتیش کررہے ہیں۔

''میں اس وقت آپ کو تکلیف نہ دیتی۔'' ریکھا نے کہا۔ ''مگر اتفاق سے یہ آپ ہی کا کیس بن گیا ہے۔''

''کیوں میرا.... کیسے....!''

ریکھا نے مختصراً اُسے ان چار لاشوں کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ''تین ڈاکٹروں کا بیان ہے آدمی مرنے سے قبل بڑبڑایا تھا۔''

فریدی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اُس نے کہا تھا۔'' ریکھا چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ''بہت لمبا ہوگیا ہے.... اوہو.... فنچ لمبا ہوگیا ہے۔''

''فنچ....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اگر ڈاکٹروں نے غلط نہیں سنا تو یہ سو فیصدی میرا کیس۔ فنچ کا کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے۔''

''لیکن چاروں آدمیوں کا کوئی ریکارڈ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ ویسے ہوٹل کے رجسٹر میں اندراجات ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کینیڈا سے آئے تھے۔''

''اُن کے سامان سے کوئی ایسی چیز بھی برآمد ہوئی جس سے ان کی اصلیت پر روشنی پڑ سکے۔''

''ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔''

''کیا وہ کمرہ سیل کرا دیا گیا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''یہ بہت اچھا کیا۔ اب میرے لئے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ اُسے ایک نظر دیکھ لوں۔''

''مگر اس جملے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ اوہو فنچ بہت لمبا ہوگیا ہے۔''

''ممکن ہے۔ یہ ہذیان ہو کیونکہ فنچ کے لمبے ہوجانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ معمولی طور پر پستہ قد ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ مرنے والوں میں سے ایک کی پر فنچ کا نام آیا تھا۔''

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''میں شروع سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ ڈاکٹر ڈر مقابلے میں فنچ کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔''

''وہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا ایک ننھا منا سا آدمی ڈاکٹر ڈریڈ تو وہ ایک ویسا ہی شعبدہ گر ہے جیسے بار ہا میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے ہیں۔ وہ اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کہ امریکہ کی پولیس نے اُسے بنا دیا ہے اور پھر ڈاکٹر ڈریڈ کے آج تک

رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُسے امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ وہ اُن کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ فنچ مجھے سنگ ہی کی یاد دلاتا ہے اور سنگ ہی جیسا مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔''

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہو....!'' اُس نے اتنا ہی کہا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

فریدی جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ایک طویل انگڑائی لی اور بڑبڑانے لگا۔

''کلو کی ماں جب کلو جوان ہوجائے تو تم مجھے گولی مار دینا۔''

''میں ابھی تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گی۔'' ریکھا چیخ پڑی۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی نے غصیلے انداز میں کہا۔

''کیا آپ لوگ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔'' حمید چونک کر بولا۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' فریدی بگڑ گیا۔

''اگر یہ حکم کم از کم ایک ہفتے کے لئے بھی ہو تو میں سر کے بل چلے جانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم کا ایک گویّا مجھے حشر تک یاد رہے گا۔''

فریدی ریکھا کی طرف متوجہ ہوگیا جو اُسے اُن چاروں کے متعلق کچھ اور بتانے لگی تھی لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حمید وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ مگر حمید عورتوں کے معاملے میں اتنا حیادار نہیں تھا کہ کسی کی بے رخی اُسے دکھ پہنچاتی۔ وہ نہایت اطمینان سے صوفے میں دراز اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ریکھا اپنی گفتگو ختم کر کے خاموش ہوگئی اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''ہاں تم جیمس اینڈ بارٹلے کے کسی گویئے کا تذکرہ کر رہے تھے۔''

''کرنا چاہتا تھا مگر اب وہ بات ہی ختم ہوگئی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

''میں آدمیوں کا ایک کانجی ہاؤس قائم کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے ریکھا سے کہا۔

''یہ عمارت بہت موزوں رہے گی۔'' حمید نے کہا ''اور اُس کی منتظمہ اگر کوئی عورت بنائی جائے تو اچھا ہے۔''

''کیا خواہ مخواہ بکواس کرنے والے آدمی لاوارث جانوروں سے بہتر ہوتے ہیں۔'' فریدی نے ریکھا سے پوچھا۔

''بدتر.....!'' ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

حمید بڑی بے تعلقی سے پائپ پیتا رہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور اُسے فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''دیکھئے کتنا بانکا سنجیدہ نوجوان ہے۔''

فریدی نے تصویر لے لی۔ اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کیا آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔''

''نہیں.....کیونکہ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔''

''اور گھنی مونچھیں بھی نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب.....!''

''مطلب یہ کہ اس آدمی کی آنکھوں پر عموماً تاریک شیشوں کی عینک ہوتی ہے اور اُس نے اپنی مونچھیں صاف کرادی ہیں۔''

''ٹھہرو.....ناک اور دہانے کی بناوٹ کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے۔ اوہو.....یہ تو سنگرام ہے۔''

''خیر پہچان لیا آپ نے۔''

''کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

''یقیناً دیکھا ہے ورنہ اُس کی تصویر کیوں لئے پھرتا۔ یہ تصویر مجھے سعیدہ رحمان کے یہاں سے ہے۔''

''اوہ.....تم نے اسے کہاں دیکھا ہے۔''

''جیمسن اینڈ بارٹلے کے یہاں کلرک ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق سعیدہ کے ملازم نے بتایا تھا کہ اکثر سعیدہ اُس سے گیت سنا کرتی تھی۔ اس کا موجودہ نام آرتھر ہے۔''

''اوہ.....یہ خبر بھی میرے لئے دلچسپ ہے۔''

''سنگرام کون ہے۔!'' ریکھا نے پوچھا۔

''ایک بلیک میلر جس کی تلاش پولیس کو عرصہ سے ہے۔ تلاش تو ہے لیکن آج تک اُس کے خ

نبر 19

جرم نہیں ثابت ہو سکا۔ تلاش یوں ہے کہ پولیس اس پر نظر رکھنا چاہتی ہے۔''

فریدی انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

''ہا.....ریکھا مانتی ہو.....نا.....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''اب آؤ ہم تم دیوداس کے ڈائیلاگ بولیں۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔

''تم جا نہیں سکتیں۔''

''دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہو۔''

''اگر جاؤ تو خدا کرے تمہارے ماں باپ مر جائیں۔''

''تم خود فنا ہو جاؤ۔ تمہارا سارا خاندان۔'' ریکھا بہت زور سے بگڑی۔

''میرا خاندان تو فنا ہو چکا ہے۔ خدا کرے تمہارا منگیتر کوڑھی ہو جائے۔'' حمید نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ریکھا پاگل نظر آنے لگی۔ کیونکہ وہ غصے میں بھی تھی اور اُسے ہنسی بھی آ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کیا کہانی ہوگی۔

حمید نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

''میں دونوں سینڈل تم پر توڑ دوں گی۔''

''پرواہ نہیں۔ میں دوسری خرید دوں گا۔ اب اتنا مفلس بھی نہیں ہوں۔''

ریکھا بے بسی سے صوفے میں گر گئی اور دانت پیس کر بولی۔ ''دروازہ کھول دو۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

حمید نے دروازہ کھول دیا اور اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''بس میں یہ چاہتا تھا کہ تم بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھا کروں۔''

ریکھا کوئی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورتی رہی۔

''اچھا مذاق ختم۔'' حمید نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں دراصل اس لئے روکا تھا کہ ہم لوگ کسی دوسرے کے پابند کیوں ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر ہم فریدی صاحب سے الگ ہی رہ کر کوئی کیس نپٹا سکیں تو کیسی رہے۔ مثلاً ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ لے لو۔''

''تم ڈاکٹر ڈریڈ کو نپٹاؤ گے۔'' ریکھا ہنس پڑی۔

''کیوں.....کیا ہوا۔''

ریکھا کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم نے اندر آ کر ایک وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

''ارے یہ کہاں.... آمرا'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کون ہے....!'' ریکھا نے پوچھا۔

''قاسم....!'' حمید نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ ''بھیج دو۔''

کچھ دیر بعد قاسم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ غیر متوقع طور پر ریکھا کو وہاں دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا۔

''ارے آؤ نا....!'' حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''آداب عرض۔ آداب عرض۔'' قاسم بوکھلاہٹ میں ریکھا کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''قق.... کچھ بھی نہیں۔''

''کچھ تو ہے۔ تمہارے معاملات بہت سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔''

''میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ ''میں اب اُسے سالے کو قتل ہی کر دوں گا۔''

''کسے....!''

''پرویز.... کو.... دن بھر.... ٹرن ٹرن ٹرن.... اور گالیاں.... دن بھر گالیاں سننی پڑتی ہیں۔''

''کیا بات ہوئی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''سمجھو....!'' قاسم غصے میں مکا ہلا کر بولا۔ ''وہ دن بھر مجھے فون پر گالیاں دیتا رہتا ہے۔''

''اوہو.... تو کیا اُسے ضمانت پر رہا کرا لیا گیا ہے۔''

''ہاں.... اور اب وہ کبھی رہا نہ ہو سکے۔ وہاں سے تو نکل ہی نہ سکے گا۔''

''کہاں سے۔''

''قبر سے۔''

''تم ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہو۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''فریدی صاحب کہاں ہیں۔''

''وہ چی ہوا ہوا تشریف لے گئے ہیں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔''

''میں یہی کہنے آیا ہوں کہ پرویز کو قتل کر دوں گا۔''

''مگر پھانسی کوئی تگڑی سی لڑکی نہیں دے گی۔''

''اَے تم میرا.... مذاخ نہ اڑاؤ ورنہ بھگتا دوں گا۔'' قاسم نے کہا اور اچانک چونک کر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوران میں شائد وہ بھول گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت بھی موجود ہے۔

''معاف کیجئے گا۔'' وہ گھگھیایا۔ ''میں غصہ میں تھا۔''

''ہونا ہی چاہئے۔'' ریکھا نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔''

''مگر ان لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آتا۔''

''کیا سمجھ میں نہیں آتا۔'' حمید نے پوچھا۔

''سمجھ میں آتا ہوتا تو وہ چھوڑا جاتا۔''

''ارے بھئی ضمانت پر چھوٹا ہے۔''

''کیوں چھوٹا ہے۔''

''قانون....!''

''قانون کی ایسی کی تیسی۔ جو تم لوگ چاہتے ہو وہی قانون ہے۔''

''اچھا چلو یہی سہی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فون پر تمہیں گالیاں دیتا رہے۔''

''سن رہی ہیں آپ۔'' قاسم نے ریکھا کو مخاطب کیا۔

''ارے کیا سن رہی ہوں۔'' ریکھا نے ہنسی ضبط کر کے سنجیدگی اختیار کرنی چاہی۔ پھر بولی۔ ''یہ تو آپ کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے منہ پر تو تعریف بھی کر دیتے ہیں۔ مگر پیٹھ پیچھے.... کچھ نہ پوچھئے.... کیا کہتے ہیں۔''

''نہیں.... بتائیے.... بتائیے۔'' قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ ریکھا اس وقت چوکے گی نہیں ہو سکتا ہے سر پٹھول کی نوبت آ جائے لیکن وہ اس طرح اٹھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ریکھا بعد کو بُری طرح اُس کا مذاق اڑاتی۔

''ہاں.... کیا کہتا ہوں پیٹھ پیچھے۔'' حمید نے بڑی دلیری سے پوچھا لیکن ساتھ ہی وہ کنکھیوں سے قاسم کی طرف بھی دیکھتا رہا تھا کہ کہیں اُس کی بے خبری میں جھپٹ ہی نہ پڑے۔

''آپ انہیں گنوار نہیں کہتے۔''

''تم گنوار کے معنی بھی جانتی ہو۔''

''قاسم صاحب! مجھ سے بہتر معنی جانتے ہیں۔''

قاسم صرف گھورتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ حمید نے سوچا جادو چل گیا ہے۔ ریکھا نے بھی قاسم کی حالت دیکھی اور اُس کے ہونٹوں کے کونے پھڑکنے لگے اور وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔'' قاسم غرایا۔ ''میں تو ابھی تک تم کو دوست سمجھتا تھا۔''

''اور ایک بار جانگلو بھی کہا تھا۔''

''یہ خود ہوگا.... جانگلو.... سالا.... والا۔'' قاسم آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا۔

حمید سٹپٹا گیا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس اسٹیج پر قاسم کو کنٹرول میں رکھنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ خاموش رہے۔ اگر صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا تب بھی حالات بدتر ہو سکتے تھے۔ بہتر نہیں۔ ریکھا تو اپنا وار کر چکی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا رہا.... اور قاسم گرجتا رہا.... ''بڑے.... مجیب بنتے ہو سالے.... تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو۔ جب دل چاہے سامنے آ جاؤ.... اٹھو نا۔''

اتنے میں ایک نوکر نے آ کر حمید سے کہا۔ ''صاحب کا فون ہے۔''

''اچھا'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور چپ چاپ کمرے سے نکلا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد قاسم نے ریکھا سے کہا۔ ''معاف کیجئے گا۔ مجھے پھر غصہ آ گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔ ''مگر دیکھا آپ نے کیسا دم دبا کر چلا گیا میں غلط تھوڑ ہی کہہ رہی تھی۔''

''غصہ آ گیا تھا.... میں مار بیٹھتا.... مگر....!''

''کیا فائدہ.... یہاں مارنے سے کیا فائدہ۔ کون دیکھتا۔ کسی دن بیچ سڑک پر روک کر ماریئے۔ بھرے بازار میں تاکہ کچھ بے عزتی بھی ہو۔ ورنہ اور نہ جانے کن کن آدمیوں کے سامنے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتا رہے گا۔''

ہاں.... یہ بات ٹھیک ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔

کہاں بے عزتی کروں اس کی۔''

''کسی ایسی جگہ جہاں اس کی جان پہچان والے موجود ہوں ورنہ کون جانے گا کہ کون پٹا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' قاسم نے رازدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں کہیں نہ کہیں اسے دیکھ لوں گا۔''

''میں بھی موجود ہوں تو بہتر ہے۔'' ریکھا نے کہا۔

''ضرور ضرور....!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''میں آپ کو فون کر دوں گا یا خط لکھ دوں گا نہیں تار دے دوں گا۔''

''میں خود ہی جگہ وغیرہ آپ کو بتا دوں گی۔''

''یہ تو بہت عمدہ رہے گا۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔

بے نیل و مرام

فن آئی لینڈ معمول کے مطابق کافی پُر رونق نظر آ رہا تھا۔ شام کے چار بجے تھے اور یہاں تفریح کرنے والوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔

مگر کرنل فریدی جزیرے کے ایک ایسے حصے میں نظر آ رہا تھا جدھر کا رخ شائد ہی کبھی کوئی کرتا رہا ہو۔ یہاں کی زمین ناہموار تھی اور بعض جگہ بہت چوڑی چوڑی دراڑیں تھیں۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر نشیب میں لہریں ساحل سے ٹکراتی تھیں۔

وہ سینے کے بل زمین پر لیٹا ہوا ایک دراڑ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراڑ تقریباً سات یا آٹھ فٹ ضرور چوڑی رہی ہوگی اور گہرائی کا اندازہ کرنا تو مشکل ہی تھا کیونکہ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور نشیب میں اترنے لگا اور پھر وہ اُس دراڑ کے دہانے پر جا پہنچا۔ لہریں اُس میں گھستی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہاں دراڑ کی کشادگی چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور دراڑ کے اندر جہاں تک سورج کی روشنی پہنچ سکتی تھی پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر اوپر چلا آیا۔

اب وہ جزیرے کے سب سے اونچے ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ

کامیاب ہوگیا۔ یہاں سے قریب قریب پورا جزیرہ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن وہ دراڑ یہاں سے نہیں نظر آتی تھی جس کے کنارے فریدی کچھ دیر لیٹا رہا تھا۔

اس نے سگار کا کونا توڑتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور سگار ہونٹوں میں دبالیا۔ لیکن وہ شاید دو یا تین منٹ تک یونہی ہونٹوں میں دبا رہا۔ فریدی کی آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ پھر غالباً اُس نے سگار جلانے کا ارادہ ہی ترک کردیا کیونکہ اب وہ پھر اُس کی جیب میں واپس چلا گیا تھا۔

ٹیلے پر خودرو پھولوں کی اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ درجنوں آدمی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے نیاز ان میں نہایت آسانی سے چھپ سکتے تھے۔

فریدی پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر بیٹھ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اور پرندوں کے شور سے سارا جزیرہ گونج اٹھا تھا۔

اُس نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر ٹیلے سے اُترنے لگا۔ اُسے توقع تھی کہ اب حمید جزیرے میں پہنچ گیا ہوگا کیونکہ اُس نے اُسے ڈیڑھ گھنٹے قبل فون کیا تھا۔ ٹیلے سے اُتر کر وہ آباد حصے کی طرف چلنے لگا۔

پھر کارواں بار کے سامنے ہی حمید سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے اُسے یہیں آنیکی ہدایت کی تھی۔

''تمہارے.... اس آرتھر نے بہت چکر دیئے۔'' اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کیوں....!''

''وہ بلاشبہ سنگرام ہی ہے۔ جیمسن اینڈ بارٹلے کے آفس سے وہ ڈھائی بجے ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ دراصل یہیں اس جزیرے میں رہتا ہے۔''

''لیکن چکر کیسے دیا اُس نے۔''

''ابھی بتاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بار میں لیتا چلا گیا۔

فریدی نے ایک کم آباد گوشہ منتخب کیا اور وہ بیٹھ گئے۔ یہاں اب ایک ہی آدھ میز خالی نظر آرہی تھی۔

''بار میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''خواہ مخواہ آپ نے ایک میز گھیر لی ہے۔''

''بار والے کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

''اس کا نقصان تو ہوسکتا ہے۔''

''تم اس کی پرواہ نہ کرو۔'' فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''قصہ دراصل یہ ہے کہ سنگرام یا آرتھر کا تعلق ڈاکٹر ڈریڈ کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔''

''خدا خیر کرے۔ یہ میں نے کیا کیا۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے مارتے رہ گیا۔

''تم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔''

''آپ ہمیشہ دوسروں کی محنت کے پھل خود ہی کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''اگر میری نیت صاف نہ ہو تو پھلوں کی گھٹلیاں حلق میں اٹک جائیں لیکن ایسا آج تک نہیں ہوا۔ مجھے سعیدہ کے دوستوں کی تلاش ہے۔ میں ایک ایک کو چیک کروں گا۔ لہٰذا سنگرام کا بھی سامنے آنا ضروری تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے اُسے چیک کرلیا۔ لیکن یہ معلوم کرلینا کم از کم تمہارے فرشتوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ سنگرام کا تعلق ڈریڈ کے گروہ سے ہے۔''

''آپ نے کیسے معلوم کرلیا۔''

''تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اب تک سوتا رہا ہوں۔ ڈریڈ کے کم از کم پانچ آدمی میری نظروں میں ہیں۔''

''اور آپ اب تک اس فکر میں رہے ہیں کہ ان کے توسط سے آپ کی پہنچ ڈاکٹر ڈریڈ تک ہوجائے۔''

''تمہارا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔''

''زبان کاٹ کر پھینک دیجئے میری۔ میں آپ کی طرح فلسفی نہیں ہوں۔ بعض اوقات میری زبان میں کھجلی ہوتی ہے اور میں بولنا چاہتا ہوں۔ خیالات خواہ ہلکے ہوں خواہ بھاری۔''

''مگر ہم تو سنگرام کی بات کررہے تھے۔''

''سنگرام انہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ اسی جزیرے میں رہتا ہے۔''

''ارے تو پھر ہم یہاں کیا کررہے ہیں۔ شراب کی بو مجھے پاگل کردیتی ہے۔''

''بیٹھے رہو۔ چپ چاپ۔''

''اسی صورت میں جب گلاس ہاتھ میں ہو۔ ٹھنڈے پانی ہی کا سہی۔''

فریدی خاموش رہا لیکن حمید کو الجھن ہونے لگی۔ یہاں کسی میز پر بھی اُس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں آرہا تھا۔ چاروں طرف مرد ہی مرد تھے۔

وہ بیٹھا بور ہوتا رہا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ذہنی کسل دور ہوگیا کیونکہ اُس نے بار میں آرتھر کو داخل

ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔

فریدی نے جھک کر سگار سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''ان کی طرف مت دیکھو۔''

''شکریہ.... آپ نے مجھے دیکھنے کی زحمت سے بھی بچالیا۔ مرد مجھ سے نہیں دیکھے جاتے خواہ کسی خوبصورت لڑکی کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔''

''تم کس قسم کی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے غیر متوقع طور پر سوال کیا۔

''ایسی جو چھ ماہ بعد ہی طلاق کا مطالبہ کرنے لگے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ بولا۔ ''آخر آج آپ میری شادی کے مسئلے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''تاکہ تم کچھ نہ کچھ بکتے رہو۔''

''یہ آرتھر اس وقت بھی سیاہ عینک لگائے ہوئے ہے لیکن یہ ہمیں پہچانتا ہی ہوگا۔''

''اچھی طرح۔''

''پھر یہاں کھلے عام ہمارے بیٹھنے کا کیا مقصد ہے۔''

''بس بیٹھے رہو۔''

''نہیں میں تو لیٹوں گا۔'' حمید جھلا گیا۔

لیکن اتنے میں اُس نے فریدی ہی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف جارہا تھا لیکن چونکہ حمید سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے وہ بیٹھا ہی رہا۔ فریدی باہر جاچکا تھا۔

حمید نے اُس میز کی طرف نظر اٹھائی جہاں آرتھر اور اُس کے دونوں ساتھی بیٹھے تھے لیکن وہاں تین کے بجائے چار آدمی نظر آرہے تھے اور میز پر وہسکی کی دو بوتلیں بھی تھیں۔ سرو کرنے والے ویٹروں کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاروں مستقل گاہکوں میں سے ہیں۔

تمباکو کے دھوئیں اور شراب کی ملی جلی بو حمید کو پینے پر اکسا رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ اب وہ طے کرچکا تھا کہ کبھی شراب نہ پیئے گا۔

بیس منٹ گذر گئے لیکن فریدی واپس نہیں آیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اکتاہٹ سے تنگ ہوکر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس کا ردعمل یقینی طور پر فریدی کیلئے سودمند ثابت ہو۔ اُسے ایسے ہی کئی مواقع یاد تھے جب فریدی نے اُسے تذبذب میں ڈال دیا تھا اور اسی تذبذب کے عالم میں جب

حماقتیں سرزد ہوگئی تھیں لیکن اُن حماقتوں سے فریدی نے اس طرح فائدہ اٹھایا تھا جیسے اُسے حمید سے اس کی توقع رہی ہو۔

وہ سوچنے لگا اگر وہ کچھ کئے بغیر ہی یہاں سے اٹھ کر گھر کی راہ لے تو کیا ہو۔ لیکن اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ نہ تو کوئی حرکت کرے گا اور نہ یہاں سے اٹھے گا۔ خواہ آرتھر اور اُس کے ساتھی اٹھ ہی کیوں نہ جائیں۔

یہاں کا ماحول تھکا دینے والا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہاں عورتیں کیوں نہیں دکھائی دیتیں جب کہ جزیرے کے دوسرے کیفے اور بار اُن سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

آرتھر اور اُس کے ساتھی بے تحاشہ پی رہے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی حمید کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ اُسے اس پر بھی حیرت تھی کہ ابھی تک کسی ویٹر نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ایک آدمی نشے میں بہک رہا تھا۔ ''روڈل.... ڈوڈل.... ڈوڈلی.... ہی....!''

ایک تیز قسم کی کھرکھراہٹ سے ہال گونجنے لگا اور کاؤنٹر کے اوپر دیوار کے ایک بورڈ کے حروف روشن ہوگئے۔ ''براہِ کرم انسانیت کی حدود سے نہ گذریئے۔''

مگر شائد ''روڈل ڈوڈل'' کرنے والا اپنی کسی محبوبہ سے جھگڑا کر کے آیا تھا اُس پر اس روشن تحریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ ہوا میں مکا لہرا کر چیخا۔ ''انسانیت کی حدود ہیں ختم ہوگئی تھی جہاں اُسے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔''

اس پیغمبرانہ جملے پر حمید کا دل چاہا کہ بیئر کے کسی بیرل میں چھلانگ لگا دے۔ مگر اب وہ بہکا ہوا شرابی کہہ رہا تھا۔ ''ڈوروتھی.... عورت نہیں کتیا ہے.... ہاہا.... کتیا کا بھی آفاقی اَدب میں ایک مقام ہے۔ اَدب میں آفاقیت نہ ہوتو کتیا.... زندہ باد....!''

اس ''زندہ باد'' پر دو چار ''زندہ بادیں'' اور بلند ہوئیں.... پھر ذرا ہی سی دیر میں مچھلی بازار بن گیا۔

اسی دوران میں حمید نے آرتھر اور اُس کے ساتھیوں کو اٹھتے دیکھا اور غیر ارادی طور پر وہ بھی اٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے اُس نے اس کے برعکس کچھ سوچا تھا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اب تو اٹھ ہی چکا تھا۔

چاروں شائد بہت زیادہ پی گئے تھے۔ ان کی رفتار میں لغزش تھی۔ حمید اُن کے پیچھے چلتا رہا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سمندر کی بوجھل ہوا کے جھونکے اُسکے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا اور اُسے ہوا میں ملے ہوئے نمک کی شوریت محسوس ہوتی۔

وہ چلتے رہے.... گھاٹ کے قریب پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ وہ دوستانہ انداز میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اچانک اُن میں سے ایک نے دوسرے پر ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر تین آدمی بیک وقت ایک آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ گھاٹ ویران نہیں تھا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور انہیں الگ کر دیا گیا۔

حمید اُن میں دلچسپی لینے کی بجائے مجمع کو گھور رہا تھا اور اُسے فریدی کی تلاش تھی۔ وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کہاں گیا۔ اتنی دیر تک بار میں بیٹھنے کا کیا مقصد تھا۔ پھر اُسے کوئی ہدایت دیئے بغیر اس طرح اٹھ جانا۔

اچانک اُس نے آرتھر یا سنگرام کو مجمع سے الگ ہوتے دیکھا۔ یہاں کافی روشنی تھی اور حمید ہر ایک کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ آرتھر شائد وہاں سے کھسک جانے کی فکر میں تھا۔

حمید نے بھی اُدھر ہی قدم اٹھائے جدھر آرتھر کا رخ تھا لیکن وہ جزیرے کے ایک ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید چلتا رہا۔ آخر وہ بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہاں بے شمار اونچے اونچے تودے بکھرے ہوئے تھے اور حمید اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے صاف دیکھ رہا تھا۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اِدھر آیا ہے۔ اُس بھیڑ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اِدھر کا رخ کیا تھا۔ آرتھر یا سنگرام پولیس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا کیونکہ اُس کا پچھلا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ لہٰذا ممکن ہے اس جھگڑے میں پولیس کی مداخلت کے خوف سے وہ اِدھر چلا آیا ہو۔

کچھ بھی ہو اُسے فریدی پر تاؤ آ رہا تھا اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی اُسے دن میں متعدد بار فریدی پر تاؤ آتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آرتھر پتھر پر لیٹ گیا اور حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔ آرتھر تو نشے میں

ٹھنڈی ہوا نے شائد نشہ اور زیادہ گہرا کر دیا تھا۔

مگر پھر حمید نے سوچا کہ اُس سے کہا کس نے تھا کہ وہ آرتھر کا تعاقب شروع کر دے۔

فوراً اُس کی نظر بڑے ٹیلے کی طرف اٹھ گئی اور اُسے جھپٹ کر دوسرے تودے کی اوٹ لینی پڑی ٹیلے پر ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ کوئی اوپر سے نیچے آ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر ایک طرف چلنے لگا۔ حمید نے اپنے مخصوص انداز میں سیٹی اور سایہ رک گیا۔ اب حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اندھیرے میں کسی آدمی کے چلنے کا انداز فریدی کا سا معلوم ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً فریدی ہی ہوگا۔ اُس نے سائے کو ایک تودے کی اوٹ میں ہوتے دیکھا۔

حمید نے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کی.... اور اب وہ کھسکتا ہوا اُس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر آرتھر لیٹا ہوا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ اس تک پہنچ سکتا، سوئے ہوئے آرتھر کے چہرے پر روشنی کی ایک لکیر پڑی۔ سامنے والے تودے کے پیچھے کوئی موجود تھا۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ نہ تو اُس نے تودے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جدھر سے روشنی آ رہی تھی اور نہ آرتھر کی طرف۔

روشنی آنی بند ہو گئی۔ آرتھر شائد بے خبر سو رہا تھا۔ آخر حمید اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا۔ وہ سوچ رہا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو ہی جانا چاہئے ورنہ رات یونہی ختم ہو جائے گی۔

اُس نے جیب سے ریوالور نکال کر کہا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... پولیس۔''

''ہائیں.... پپ.... پپ.... پولیس....!'' آرتھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور پتھر سے نیچے لڑھک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی کراہ کے ساتھ اُس کے حلق سے گندی سی گالی نکلی۔

تودے کے پیچھے جو کوئی بھی تھا اب سامنے آ گیا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید کڑک کر بولا۔

''اور اگر میں انکار کر دوں تو۔'' بہت ہی سرد لہجے میں جواب ملا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ یہ فریدی ہی تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اُس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔''

''بکو مت۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم اُن میں سے کسی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک

چلے آؤ۔ مگر اسے کیا ہوا۔"

"وہی جو زیادہ شراب پینے کے بعد ہوتا ہے۔" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔ اُس کا مو
سوچ کر بہت زیادہ خراب ہو گیا کہ وہ فریدی کی دانست میں اتنی دیر سے جھک ہی مارتا رہا تھا۔

پھر پیو

آرتھر کو ہوش آنے پر محسوس ہوا کہ وہ کسی کمرے میں ہے۔ حالانکہ وہ فن آئی لینڈ کی ایک چٹان
لیٹ کر سو گیا تھا۔ اُس نے پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے
دروازہ کھلا اور دروازے میں جو آدمی بھی اُسے نظر آیا وہ کم از کم اُس کے لئے کسی اچھے مستقبل کا پیغا
نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا..... نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ ہمیشہ اُس سے دور ہی دور
کی کوشش کیا کرتا تھا..... یہ کرنل فریدی تھا۔

"کیوں سنگرام..... کیا اب تم پوری طرح ہوش میں ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"آپ میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے۔" سنگرام نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا

"اُوہو..... بڑی مصیبت ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا میں ہر ایک کے پیچھے اس لئے پھرا کرتا
کہ اُس کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت ہی کر ڈالوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے مُر
نہیں دکھائی دیئے۔ وہ بہت ہی دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"تم وہاں بہت بُری حالت میں پڑے ہوئے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں سانپ ہی ڈ
تو..... میں تمہیں یہاں اٹھا لایا۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہارے خلاف کچھ ثابت کر دوں۔ ہا
اس سے تمہارا کوئی مرض دور ہو سکے تو میں یہ بھی کر گذروں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ سعیدہ رحمان والے سلسلے میں مجھے پر شبہہ کر رہے ہ

"تم بڑے اچھے طالب علم ہو سنگرام۔ بیٹھ جاؤ۔ سوال کرنے سے پہلے ہی جواب تیار رکھتے ہ

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

آرتھر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کر سکتے۔ میرا پورا نام آرتھر سنگرام ہ

"اور مونچھیں تمہاری اپنی ملکیت ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"قطعی..... مجھے پورا پورا حق حاصل ہے جب چاہوں رکھوں جب چاہوں صاف کرا دوں۔"

"سنگرام تم بوکھلاہٹ میں بچوں کی سی اور مضحکہ خیز گفتگو کر رہے ہو۔ اپنے حواس کو یکجا کرو۔
ہارے خلاف میں کچھ نہیں ثابت کر سکتا۔"

"تو پھر اس کا مطلب۔" سنگرام چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ایک ملازم ہاتھوں پر ایک کشتی اٹھائے اندر داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ دی گئی۔ اس میں
سائیفن..... ایک گلاس اور اسکاچ کی بوتل تھی۔

ملازم باہر جا چکا تھا۔

"اپنی مدد آپ کرو۔" فریدی نے کشتی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "حواس کو یکجا کرنے کے لئے
ہ ثابت ہوگی۔"

"آخر مقصد کیا ہے۔"

"اوہ..... سنگرام..... اچھی بات ہے۔ تم پھر اتنی ہی پیو۔ اتنے ہی مدہوش ہو جاؤ اور پھر میں تمہیں
رے کی اُسی چٹان پر پھکوا دوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ پلنگ ہی پر بیٹھا رہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شراب زہریلی ہے۔"

"نہیں.....!"

"پھر..... تم پیتے کیوں نہیں۔"

"کرنل فریدی کا کوئی اقدام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"آپ مجھے اس کا مقصد بتا دیجئے۔"

"کیا واقعی تم اُس چٹان پر خودکشی ہی کی نیت سے لیٹے تھے۔"

"نہیں میں نشے میں تھا۔"

"چلو..... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کچھ اور پیو مگر اتنی نہیں کہ پھر ویسے ہی ہو جاؤ۔"

"اچھا پھر اس کے بعد آپ کیا کریں گے۔"

"تمہیں رخصت کر دوں گا۔"

''میں کیسے یقین کرلوں۔'' سنگرام نے کہا۔ مگر اب وہ میز کے قریب آ کر سائیفن سے سوڈا
رہا تھا۔ خالی سوڈے کا ایک گلاس چڑھا لینے کے بعد اس نے کہا۔ ''میرے حواس یکجا نہیں ہو سکتے۔''

''تھوڑی اسکاچ بھی لو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی حالت بہتر محسوس کرو گے۔''

''شکریہ۔'' سنگرام نے تین انگل اسکاچ ناپ کر لی اور اس میں سوڈا ملانے لگا۔ تقریباً پانچ
تک کمرے پر بوجھل سکوت طاری رہا۔ سنگرام گلاس خالی کر کے ٹرے میں رکھ چکا تھا۔

فریدی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ ''کیوں.... کیا.... اَب بھی تم بہتر
محسوس کر رہے ہو۔''

''میں اب ٹھیک ہوں۔''

''لیکن زیادہ دنوں تک ٹھیک نہ رہ سکو گے۔ ابھی تک پولیس تمہارے خلاف کچھ نہیں ثابت
لیکن اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کیا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اگر اب تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔''

سنگرام کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

''کیا آپ....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کہو....!''

''کچھ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔''

''مت کہو۔ یہ رعائت صرف رات بھر کے لئے ہے۔ آج کی رات میرے پاس تمہارے
کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن کل صبح کے لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''میں پھر نہیں سمجھا۔ صاف صاف کہئے۔''

''کچھ نہیں بھئی۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اگر اس وقت نہ جانا
یہیں آرام کرنا۔''

''میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''مگر پاگل ہونے سے پہلے مجھے یہ ضرور بتا دینا کہ تمہیں کہاں کے پاگل خانے میں رکھا جا
سنگرام نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے۔ سچ مچ اُسکی آنکھوں سے دیوانگی جھانکنے لگی

فریدی نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بڑے بے تعلقانہ انداز میں سگار سلگا رہا تھا۔

''آپ کل صبح میرے خلاف کیا ثابت کریں گے۔'' سنگرام نے پوچھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک اسی الجھن میں ہو۔ بیٹھو بیٹھو یہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم جیسا کوئی آدمی ہر وقت محتاط نہ رہے تو بڑی آسانی سے اس کی گردن پھنس سکتی ہے۔''

''خدارا مبہم قسم کی گفتگو نہ کیجئے۔''

''سنگرام! کیا یہ گفتگو تمہارے لئے مبہم ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو۔ کیا تم آج کل غیر محتاط نہیں ہو۔''

سنگرام دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مختلف قسم کے خیالات نے اُس کے ذہن میں پراگندگی پیدا کر دی ہو۔

''کیا تم آج کل جس راستے پر چل رہے ہو ہمیشہ اُسی پر چلتے رہے ہو۔ آدمی کو اپنی لائن سے نہ ہٹنا چاہئے۔ یہ راستہ بلیک میلنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ تم تنہا رہ کر قانون کی گرفت سے بچے رہ سکتے ہو کیونکہ تم نے شروع سے اس کی مشق بہم پہنچائی ہے لیکن اس نئے راستے کے اناڑی مسافر۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اب اندھیرے میں نہیں رہے۔ کم از کم میرے لئے روشنی میں آ چکے ہو۔''

سنگرام کی ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکی ہوئی تھی اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کہتا رہا۔ ''ان میں سے کون ہے جو میری نظر میں نہ ہو۔ صفدر، سعید، ماتھر، موریلی، رام سنگھ اور کتنے نام گنواؤں۔ میں ان سبھوں کو جس وقت چاہوں گرفت میں لے سکتا ہوں۔''

''مم.... مجھے بھی.... کہنے دیجئے۔'' سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کہو! میں نے تمہیں روکا تو نہیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''میں نادانستہ طور پر ان لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اور اب میری گردن اچھی طرح پھنس چکی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ مجھ سے بھی بڑا بلیک میلر ہے۔ اسکے پاس میرے خلاف واضح ترین ثبوت ہیں۔''

''تو اس نے تمہیں بلیک میل کیا ہے۔''

''جی ہاں.... میں اُس کے احکامات کی تعمیل پر مجبور ہوں۔''

''تم کب سے اُس کے لئے کام کر رہے ہو۔''

''چار ماہ سے۔''

''جیمس اینڈ بارٹلے کے یہاں کب سے ملازم ہو۔''

''ایک سال سے۔''

''سعیدہ سے دوستی کتنی پرانی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے اس لئے وہاں جتنا پرانا میں ہوں اتنی ہی پرانی دوستی بھی ہوسکتی ہے۔''

''اس کے اغواء کا تمہیں علم ہے۔''

''نہیں....!''

''پھر تم ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کیا کام کرتے رہے ہو۔''

''مختلف قسم کے کام۔لیکن میں نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے....!''

''ارے چھوڑو....گردن پھنسانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ڈاکٹر ڈریڈ کیلئے کام کرتے رہے ہو۔''

''میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ مجھے جہنم میں نہیں پہنچا سکتے۔لیکن اگر سعیدہ کا اغواء ڈریڈ ہی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''ڈریڈ کے لئے تم سے کون کام لیتا ہے۔''

''ماتھر....!''

''اُس نے تم سے سعیدہ کے متعلق کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''گفتگو....ٹھہریئے۔'' سنگرام نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔''یوں تو ہم ہر وقت ہی اُس کے متعلق کچھ نہ کچھ گفتگو کرتے رہتے تھے۔میں دراصل آج کل ماتھر ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''مجھے علم ہے....ہاں تو وہ گفتگو کس قسم کی ہوتی تھی۔''

''ماتھر کا خیال تھا کہ میں سعیدہ کو پھانس کر اُس سے شادی کرسکتا ہوں اور بھی ایسی ہی بہتیری باتیں جو سعیدہ سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی سوچتا ہوگا کیونکہ وہ اچانک اتنی مالدار ہوگئی تھی....اور غیر شادی شدہ تھی۔''

سنگرام خاموش ہوگیا۔فریدی اُسے اس انداز سے گھور رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں سے اُس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتا ہو....اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔''کیا تم بتا سکو گے کہ یہاں کے بڑے

لوں میں سے کون کون اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔''

''میں صرف دو یا تین کو جانتا ہوں لیکن ویسے میرا خیال ہے کہ شہر کے سارے بڑے آدمی اُس دلچسپی لے رہے تھے۔سرمایہ دار طبقہ کے ہر جوان آدمی کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ سعیدہ کو حاصل نے میں کامیاب ہوجائے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔''کیا تم نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ ملاقاتیوں کے بہت احتیاط سے رکھا کرے۔''

''میرے خدا۔'' سنگرام یک بیک اچھل پڑا۔''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ہاں میں نے ہی اُسے یہ دیا تھا۔''

''اور تمہیں اس کا مشورہ ماتھر نے دیا تھا....کیوں؟''

''یہ بھی صحیح ہے۔'' سنگرام نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔اُسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''اُس نے تمہیں یہ مشورہ کیوں دیا تھا؟''

''میری ہی لائن کی ایک اسکیم تھی۔'' سنگرام طویل سانس لے کر بولا۔''اُس کا خیال تھا کہ میں کے امیر طلب گاروں کی فہرست مرتب کروں اور ان کے متعلق چھان بین کرتا رہوں۔پھر جب سے کسی کی بات سعیدہ کے ساتھ پکی ہوجائے تو میں اُسے بلیک میل کروں۔سرمایہ داروں میں شائد ئی ایسا ہو جس میں کمزوریاں نہ ہوں۔ہوسکتا ہے کہ اُس کا ہونے والا شوہر بھی کسی ایسے جرم کا ب ثابت ہو جو اُسے سعیدہ کی نظروں سے گرا سکے۔لہٰذا ایسی صورت میں بلیک میلنگ کے بہترین نتائج ہاتھ آسکتے ہیں....ماتھر کی یہ تجویز بڑی شاندار تھی لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔سنگرام اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا لیکن فریدی نے اُسے نظر انداز کر کے لا۔''تو تم نے فہرست مرتب کرلی ہے۔''

''جی ہاں....!''

''کتنے آدمی ہوں گے۔''

''تیں....!''

''مگر ابھی تم نے کہا تھا کہ تم دو یا تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔''

''جی ہاں....یہ وہ تین آدمی ہیں جن کے متعلق میں چھان بین کرتا رہا ہوں۔''

''انہیں تین تک چھان بین کیوں محدود رکھی۔''

''کیونکہ انہیں سعیدہ پسند کرتی تھی۔''

''مجھے پوری فہرست چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھئے! میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی کا ہاتھ اس اغواء میں ہے۔''

''ہاتھ تو تمہارا بھی ہوسکتا ہے سنگرام۔ تم اُسے اغواء کر کے کسی بڑے گاہک کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو کسی بہت بڑی قیمت پر۔''

''اگر آپ مجھ پر شبہ ہی کر رہے ہیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا۔''

''کیا....؟''

''مجھے گرفتار کر کے اُس وقت تک بند رکھئے جب تک کہ سعیدہ کا سراغ نہ مل جائے۔''

''تم مجھ سے بھاگ کر جاؤ گے کہاں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''البتہ دوسری دنیا تک میری پہنچ ہو سکے گی۔''

''پھر آپ کا شبہ رفع کرنے کی دوسری صورت کیا ہوسکتی ہے۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔ مجھے اُن لوگوں کی فہرست چاہئے لیکن تم اس کا تذکرہ ماتھر سے نہیں کرو گے''

''میں وہی کروں گا جو آپ فرمائیں گے۔ فہرست کل شام تک آپ کو مل جائے گی....! فی الحال ڈریڈ سے روگردانی بھی میرے لئے مشکل ہوگی۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم اُسے چھوڑ دو۔''

''مگر مجھے حیرت ہے جناب کہ آپ نے ڈریڈ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔''

''تم اس کے متعلق جانتے ہی کیا ہوگے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اچھا اب تم جاسکتے ہو۔''

کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری ہوگیا۔

❁

حمید بہت دیر سے اُچھل کود رہا تھا۔ آخر فریدی کو کہنا ہی پڑا۔ ''پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو!''

''پرویز اور قاسم کو لڑانے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''حقیقت معلوم کرنے کے لئے۔''

''کیسی حقیقت۔!''

''یہی کہ ان دونوں کا تعلق اس اغواء سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ حرکت خود پرویز ہی کی ہوتی تو وہ بھی اس طرح چڑھ کر عاصم پر نہ جاتا اور اگر حقیقتاً عاصم کا ہاتھ اس میں ہوتا تو وہ رائفل لے کر پرویز پر نہ دوڑتا۔ چور کا دل ہی کتنا۔''

''مگر پرویز نشے میں تھا۔''

''اتنا زیادہ بھی نہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہ رہ جاتی۔''

''مگر اُس نے اپنے بیان میں یہ نہیں لکھوایا کہ اس کا مشورہ کرنل فریدی نے دیا تھا۔''

''وہ احمق نہیں ہے۔ اتنا سمجھتا ہے کہ اس بیان پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے خود اس کی کہانی پر تمہیں یقین نہیں آیا۔''

''آپ کو آ گیا ہے۔''

''ہاں مجھے یقین ہے کسی نے اُسے آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''مگر کس طرح۔ ارے اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ اُسے اس کے گھر سے پکڑ لے گئے۔ اُس کی خاطر مدارت کی۔ دو لڑکیاں اس کی مرمت بھی کرتی رہیں اور سر بھی سہلاتی رہیں۔ یہ پرویز کا پٹھا مجھے افیونی معلوم ہوتا ہے۔''

''سب کچھ جلد ہی روشنی میں آجائے گا گھبراتے کیوں ہو۔''

''اچھا....! پچھلی رات آپ مجھے بار میں چھوڑ کر اُس ٹیلے پر کیوں جا چڑھے تھے۔ کیا مریخ میں پہنچنے کا ارادہ تھا۔''

''پچھلی رات بھی ڈریڈ ہی کا چکر تھا۔ مجھے باہر سے اشارہ ملا تھا کہ ایک تیز رفتار سفید کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ بہر حال مجھے اتنی جلدی میں اٹھنا پڑا تھا کہ تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔''

''پھر اُس کشتی کا کیا ہوا۔''

''وہ شائد اطلاع دینے والے کا واہمہ تھا۔ کشتی دراصل بحری فوج کی تھی۔ کچھ بھی ہو پچھلی رات کچھ نہ کچھ کام تو ہوا ہی تھا۔ سنگرام کے متعلق پہلے سے کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا تھا لیکن اُس سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ اس معاملے میں وہ کتنا اہم رول ادا کر رہا ہے۔ وہ لینڈنگ کارڈ میرے ذہن میں بُری طرح کھٹک رہے ہیں جو ایک نامعلوم آدمی سعیدہ کے گھر سے

اڑا لے گیا تھا۔ وہ اتنے ہی اہم تھے حمید صاحب کہ اُس آدمی کو ایک پولیس انسپکٹر بن کر آنا پڑا تھا۔"

"ارے تو ان کی فہرست آپ کو مل ہی جائے گی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی شائد حقیقت تک پہنچنے میں دشواری ہو۔"

دوسری پلیٹ

سنگرام چار بجے اپنے آفس سے نکلا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ریکسٹین اسٹریٹ پر مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلدی میں اُسے کہیں پہنچنا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ لیکن اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی۔

یہاں دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور ان میں چھوٹے بڑے نئے پرانے منقش اور بدوضع دروازے نصب تھے۔ سنگرام ایک دروازے پر رک گیا۔ وہ مقفل تھا اُس نے قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی تنگ قسم کے زینے تھے جن کا سلسلہ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے زینے طے کرنے لگا۔

زینے اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں کے سامان سے کمرے کے مالک کی شکستہ حالی ظاہر تھی۔ ایک طرف ایک جھولدار پلنگ موجود تھا اور دیوار سے لگا ہوا ایک شلف رکھا تھا جس میں دو تین کتابوں کے علاوہ شیونگ کا سامان چائے کی چھوٹی پیالیاں سگرٹوں کے خالی پیکٹ اور دوسری چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

ایک طرف ٹین کا ایک پرانا صندوق پڑا ہوا تھا اور گرد کی تہیں کہہ رہی تھیں کہ کمرے کو بہت دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔

وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے نیچے سے دروازے پر دستک دی۔ سنگرام سناٹے میں آ گیا کیونکہ شائد اس مکان میں اُس کے لئے پہلا موقع تھا جب اُس نے کوئی دستک سنی تھی۔ شائد اُس کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا تھا۔

دستک برابر جاری رہی۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اُسے اس طرح ہلا رہا تھا جیسے توڑ ہی ڈالے گا۔

سنگرام کو غصہ آ گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا نیچے پہنچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک شکستہ حال آدمی کھڑا تھا جس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور گرم کوٹ چیتھڑوں کی شکل میں اُس کے جسم

پر جھول رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں جیب کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

سنگرام آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ یہ ایک متوسط قد کا آدمی تھا اور اُس کے چہرے پر ڈاڑھی اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے کسی ویران زمین پر جھاڑیاں اُگ آئی ہوں۔ بے ترتیب اور الجھی ہوئی اُس نے سنگرام کو اوپر چلنے کا اشارہ کیا۔

سنگرام کی نظر پھر جیب سے جھانکتی ہوئی نال پر پڑی اور وہ زینوں کی طرف مڑ گیا۔ پھر اُس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی لیکن دیکھنے کے لئے مڑا نہیں۔

اوپر پہنچ کر اُس نے اجنبی کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"مقصد کیا ہے.... دوست....!"

لیکن اُسے جواب میں غیر متوقع طور پر غیر ملکی لہجے میں انگریزی سننی پڑی۔ اجنبی کہہ رہا تھا۔ "ہم انگریزی ہی میں گفتگو کریں گے۔ تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"ہاں.... چلو انگریزی ہی سہی۔ مگر اس کا مقصد۔"

"میں فنچ ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"تب تم بھوت ہو۔" سنگرام نے ہنس کر کہا۔ "ڈریڈ کے مرنے والے آدمیوں میں سے ایک۔ نہ تمہاری بہت زیادہ لمبائی کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن تم اس وقت متوسط قد کے ہو۔ لیکن عام حالات میں تمہارا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "اس صندوق کو کھول کر سفری ٹرانسمیٹر نکالو۔"

"کیا مطلب....!" سنگرام اُسے گھورنے لگا۔

"تمہیں مطلب سے غرض نہ ہونی چاہئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"سنو! اگر تم واقعی فنچ ہو تو مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ پھر میں ٹرانسمیٹر بھی نکال لوں گا۔"

"چہرہ.... اچھا دیکھو....!" اجنبی نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں انگلیاں دوڑائیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈاڑھی سر کے بالوں سمیت کسی پھل کے چھلکے کی طرح چہرے سے الگ ہو گئی۔

سنگرام ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ فنچ کے حلئے کے متعلق اُس نے جو کچھ بھی سنا تھا اُس میں کسی فرق نہیں تھا۔ وہی جھریایا ہوا چھوٹا سا چہرہ۔ ننھی ننھی چمکدار آنکھیں اور بندروں کی سی پیشانی۔"

''لیکن فنچ کا یہاں کیا کام۔''

''ہاہا...!'' فنچ نے قہقہہ لگایا۔ ''اگر یہاں کوئی کام نہیں ہے تو تم فنچ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔''

سنگرام کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''فضول ہے۔'' فنچ نے کہا۔ ''صندوق کھولو۔''

سنگرام جھک کر صندوق کھولنے لگا۔ فنچ کی چمکیلی آنکھیں اُس پر سے ایک لحظہ کے لئے بھی نہ ہٹیں۔ سنگرام نے ٹرانسمیٹر نکال کر صندوق پر رکھ دیا۔

''ڈاکٹر ڈریڈ سے کہو کہ سعیدہ رحمان والا معاملہ فنچ کو معلوم ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا بھلا بھی چاہتا ہے۔ ورنہ اس دور دراز ملک میں وہ بیچارا اپنے جسم اور روح میں رابطہ کس طرح قائم رکھے گا۔''

''اوہ... تو کیا یہ حقیقت ہے کہ ڈریڈ اس کا ذمہ دار ہے۔''

''چلو...!'' فنچ نے آگے بڑھ کر ریوالور کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھ دی اور پھر بولا۔ ''اُس سے کہہ دینا کہ تم ماتھر کے یہاں سے بول رہے ہو۔''

سنگرام نے ٹرانسمیٹر میں کہنا شروع کیا... ''ہلو... ہلو... ڈی ڈی پلیز... سکس تھری... اسپیکنگ...!''

''ہلاؤ...!'' ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میری کنپٹی پر فنچ کا ریوالور رکھا ہوا ہے۔ میں ماتھر کے یہاں سے بول رہا ہوں۔''

''ماتھر کہاں ہے۔''

''وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ فنچ کہتا ہے کہ سعیدہ رحمان والے معاملے میں اس کا بھی بھلا ہونا چاہئے۔''

''وہ خود کیوں نہیں بولتا۔''

''ہٹ جاؤ۔'' فنچ نے سنگرام کو ایک طرف دھکا دیا لیکن ریوالور کی نال بدستور اُسکی کنپٹی سے لگی رہی۔ ''فنچ اسپیکنگ۔''

دوسری طرف کسی درندے کی سی غراہٹ سنائی دی۔ ''کیا بک رہے تھے تم۔''

''دنیا کا یہ حقیر ترین چیونٹا تمہیں تیسری بار آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔''

دوسری طرف سے ایک تضحیک آمیز ہنسی کی آواز آئی۔

''اور... سعیدہ رحمان والے قصے میں مجھے معقول حصہ ملنا چاہئے ورنہ میں سارا طلسم توڑ دوں گا۔''

''فنچ...!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ابھی تک میں تجھے صرف ایک سرکس کا مسخرہ سمجھ کر معاف کرتا رہا مگر اب...!''

''میں زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' فنچ نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ ''اگر تم نے اس معاملے میں میرے حصے کا خیال نہ رکھا تو بھگتو گے۔ تمہارا ایک ایک آدمی میری نظروں میں ہے... اُوور...!''

فنچ ٹرانسمیٹر کے پاس سے ہٹ آیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہیں آئی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' سنگرام نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''کچھ نہیں... اب تم آرام کرو۔'' فنچ کے غیر متوقع طور پر اُسکے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔

سنگرام نے لڑکھڑا کر سنبھلنا چاہا لیکن دوسرا ہاتھ پڑا اور وہ چکرا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پہلے تو اُس کمرے میں کالے کالے گنجان دائرے سے چکراتے معلوم ہوئے اور پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔

❁

کیپٹن حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں بیٹھا سارجنٹ رمیش سے دنیا کی بدترین عورتوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ مقصد شام کی تفریح نہیں تھا بلکہ وہ ڈریڈ کے ایک ساتھی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ ہوسکتا ہے فریدی کے علاوہ فنچ بھی اُس کی اصلیت سے واقف رہا ہو ورنہ عام آدمی تو اُسے کسی بڑی فرم کا کوئی کمیشن ایجنٹ سمجھتے تھے۔ وہ ایک خوش پوش اور بظاہر شائستہ آدمی تھا لیکن نہ خوش پوشی شرافت کا معیار ہے اور نہ شائستگی۔ بہرحال وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے تھا اور آج فریدی نے حمید کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ لیکن حمید کو مقصد کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے ہے۔

صفدر شہر کے ایک بڑے آدمی کے ساتھ تھا اور اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دوستوں کی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہوں۔ حمید ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا کیونکہ وہ اُس کے پیچھے والی میز پر تھے۔

کچھ دیر بعد اُسے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور قاسم نظر آئے۔ وہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ ریکھا کو قاسم کے ساتھ دیکھ کر حمید کو بڑی حیرت ہوئی اور رمیش نے بھی تعجب ظاہر کیا۔ لیکن وہ دونوں خاموش

بیٹھے رہے۔ قاسم اور ریکھا نے انہیں دیکھ تو لیا تھا لیکن ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

حمید کھٹک گیا۔ وہ اس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اُ طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا عموماً اُسے زک دینے تاک میں رہا کرتی ہے۔

قاسم نے شائد کھانے کا آرڈر دیا تھا کیونکہ اُس کی میز سے ایک میز اور ملائی جا رہی تھی۔ اُس کھانے کا آرڈر عموماً اتنا ہی لمبا ہوا کرتا تھا کہ کم از کم دو میزیں یقینی طور پر بھر جاتی تھیں۔

ریکھا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف حمید اور رمیش ا آوازوں میں بول رہے تھے۔ لیکن اب بھی اُن میں سے کوئی بھی ریکھا یا قاسم سے مخاطب نہیں ہوا یہی حالت اُن دونوں کی بھی تھی۔

مگر حمید غافل نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ ریکھا کی موجودگی یقینی طور پر کسی نہ کسی فتنے کا پیش خیمہ ہے

قاسم کی میزوں پر پلیٹیں لگائی جانے لگی تھیں اور ریکھا اُس سے ہنس ہنس کر گفتگو کر رہی تھی۔ ت بچھا جا رہا تھا۔ اُس کے ہر انداز سے مترشح تھا کہ یہیں اسی جگہ ''قربان'' ہو جائے گا۔

دونوں نے کھانا شروع کیا۔ لیکن حمید کی نظریں برابر قاسم کی طرف لگی رہیں۔

اچانک وہ بے تحاشہ اپنی میز پر اوندھا ہو گیا اور چاول کی ایک بڑی پلیٹ اُس کے اوپر سے گذ ہوئی صفدر کے منہ پر پڑی۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ میز تو الٹ ہی گئی جس پر صفدر تھا۔ لوگ چاروں طرف سے اٹھ اب حمید نے دیکھا تو ریکھا رفو چکر ہو چکی تھی اور قاسم حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور منہ میں ٹھ ہوئے چاول اُس کی گود میں گر رہے تھے۔

''اب کیا سچ مچ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' صفدر کا ساتھی گرج رہا تھا۔ ''اُس دن پرویز پلیٹ پھینکی تھی.... اور آج....!''

''قاسم بدستور بیٹھا رہا اور اُس کے کھلے ہوئے منہ سے چاول گرتے رہے۔ حمید اور رمیش دہل میز سے اٹھ گئے تھے۔

''یہ کیا ہوا۔'' رمیش نے آہستہ سے پوچھا۔

''گول رہو۔'' حمید نے جواب دیا اور رمیش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے نکالتا ہوا سبھوں کے

پیچھے آ گیا۔

''پولیس....!'' صفدر کا ساتھی دہاڑا۔ ''پولیس کو فون کرو۔''

پولیس کا نام سن کر قاسم جلدی جلدی منہ چلانے لگا اور پھر بچے کھچے چاولوں کو حلق سے اُتار کر ہکلایا۔ ''پپ.... پولیس ہی نے پلیٹ.... پھکوائی تھی۔''

''پاگل خانے بھجواؤ۔'' بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔

''تون سالا.... بھجوائے غا۔'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اسطرح اچھلتے وقت دونوں میزیں الٹ گئیں۔ قریب کے دو چار لوگ اگر بڑی پھرتی سے پیچھے نہ ہٹ گئے ہوتے تو انکا زخمی ہو جانا لازمی تھا۔

اتنے میں دو تین کانسٹیبل ہال میں گھس آئے۔ شائد منیجر نے سڑک پر سے ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو بلوالیا تھا۔

''کھسک چلو اب یہاں سے ورنہ بدنامی ہوگی۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

اور وہ دونوں چپ چاپ باہر نکلے آئے۔

''یہ ریکھا کی بچی بڑی چالاک بنتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا اُسی نے اُس کو اکسایا تھا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''قطعی.... وہ پلیٹ دراصل مجھ پر پھینکی گئی تھی۔''

''آہا....!'' رمیش ہنس پڑا۔ ''اسی لئے وہ کھسک بھی گئی۔''

❁

دوسری صبح کے اخبارات نے قاسم کو سچ مچ پاگل قرار دے دیا۔ کیونکہ اُس کی سنائی ہوئی کہانی پر کسی کو یقین نہیں آیا تھا۔ کون باور کر لیتا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا نے کیپٹن حمید پر چاول کی پلیٹ پھکوائی ہوگی۔ بعض اخبارات نے قیاس آرائی بھی کی تھی کہ سعیدہ رحمان کے اغواء میں حقیقتاً قاسم ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اب وہ دوسروں پر بھی پلیٹیں پھینک پھینک کر خود کو پاگل ثابت کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اُسی شام کے ایک اخبار نے پرویز کا بیان شائع کر دیا۔ جو اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔ پرویز نے کہا تھا۔

''نہ قاسم پاگل ہے اور نہ میں ہی دیوانہ ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ محکمہ سراغ رسانی کے سب سے مشہور آفیسر کرنل فریدی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا میری اس کہانی پر کسی کو یقین آئے گا کہ اُسی آفیسر نے مجھے شراب

پلا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی پر بھیجا تھا اور ہدایت کی تھی کہ میں عاصم صاحب کی جتنی بے عزتی کرسکتا ہوں کروں۔ کوئی نہیں یقین کرے گا.... اخبارات اس بیان پر بھی شبہ ظاہر کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی جیالا یہ بھی لکھ ڈالے کہ اس طرح میں اور قاسم سعیدہ رحمان کو بانٹ کھانا چاہتے ہیں۔ مگر میں محکمہ سراغ رسانی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس دیوانگی کا مطلب سمجھایا جائے ورنہ ہوسکتا ہے کہ مجھے آگے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے۔''

کرنل فریدی نے اس بیان کو پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ ''ریکھا نے سچ مچ پچھلی رات ایک بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا۔''

''اس پر حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔'' اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''اگر یہی حرکت مجھ سے سرزد ہوتی تو میں پرلے سرے کا گاؤدی اور گھامڑ قرار دیا جاتا۔ ریکھا.... ریکھا ہی ٹھہری۔ میں اس کی طرح لچک کر نہیں چل سکتا۔ نگاہوں سے بجلیاں نہیں گرا سکتا۔ اس طرح نہیں مسکرا سکتا کہ بہاریں لہلہا اٹھیں۔''

''بہاریں نہیں کھیتیاں لہلہایا کرتی ہیں فرزند.....!''

''سند ہے۔ اردو کے عظیم شاعر فراق نے کہا ہے ۔ بہار جیسے لہلہائے.... ویسے لہلہانا بجائے خود ایک مضحکہ خیز لفظ ہے۔''

''میں الفاظ پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو میں ریکھا کی شان میں قصیدے ہی پڑھتا رہوں۔ اچھا تو سنئے۔''

''بس.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بکواس نہیں۔''

''کیا مصیبت ہے۔ شاعری پیش کردوں تو لکھواس ہے۔ نثر میں کچھ کہنا چاہوں تو بکواس ہے۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔ کتوں کی طرح بھونکا کروں یا گدھوں کی طرح رینکا کروں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے سامنے سنگرام سے ملی ہوئی فہرست پڑی تھی۔

''تو یہ آدمی تھا پچھلی رات صفدر کے ساتھ۔'' اُس نے ایک نام پر پنسل سے نشان لگاتے ہوئے کہا۔ ''اس بُری طرح ماروں گا کہ ڈاکٹر ڈریڈ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''ہائیں تو کیا سچ۔ اس اغواء میں اُسی کا ہاتھ ہے۔ مگر وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟''

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ بہت بڑا فائدہ۔''

لڑکی اور لاش

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے قاسم کا بیان جھٹلا دیا اور فریدی نے پرویز کا۔ کئی دن تک اخباری بحثیں چلتی رہیں اور پھر سناٹا ہوگیا۔ فریدی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے ذمہ دار قاسم اور پرویز دونوں ہی ہوسکتے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں نے مل کر کوئی اسکیم بنائی ہو۔

لیکن صفدر نے قاسم کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی تھی۔ حمید کیلئے یہ چیز باعث حیرت تھی۔ ویسے وہ جانتا تھا کہ جب تک فریدی کی زبان نہیں کھلے گی اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہیں گے۔

اور اب تو اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی اپنا زیادہ تر وقت کہاں گذارتا ہے وہ صبح آفس جاتا آفس سے جو غائب ہوتا تو پھر کافی رات گئے گھر پر ملاقات ہوتی۔ آج کل نہ وہ حمید کو کسی بات پر ٹوکتا تھا اور نہ اس سے کوئی کام ہی لیتا تھا۔ غالباً اُسے اُس کو ٹوکنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

حمید چین کر رہا تھا۔ رادی عیش لکھتا تھا ان دنوں۔

اور انہیں دنوں کی بات ہے کہ شہر میں فیشن ایبل بکروں کی بہتات ہوگئی تھی۔ کالجوں کے طلباء نے بکرے پالنے شروع کردیئے تھے اور انہیں ان کے جدید ترین لوازمات سمیت ساتھ لئے پھرا کرتے تھے۔ یہ بکرے کبھی کبھی سڑکوں پر لڑ پڑتے اور ٹریفک بند ہوجاتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ یہ بکرے آؤٹ آف کنٹرول ہوجاتے اور اُن کے مالکوں کو خوانچہ فروشوں اور حلوائیوں کو تاوان بھی ادا کرنا پڑتا۔ مگر فیشن ایبل بکروں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

بہتیرے شرفا نے فلٹ ہیٹ پہننا اور ٹائی لگانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ایسی حالت میں بکروں سے آنکھیں نہیں چار کرسکتے تھے۔ ان بیچاروں کے پاس اتنے عمدہ فلٹ اور ٹائیاں نہیں تھیں کہ وہ بکروں کی ٹائی کا مقابلہ کرسکتے۔

وہ صرف اتنا ہی کرسکتے تھے کہ کیپٹن حمید کو بددعائیں دیتے رہیں جس سے یہ چلن نکلا تھا۔ سینما ہال اور دوسری تفریح گاہوں کے منتظمین تو اُسے اٹھتے بیٹھتے گالیاں دیا کرتے تھے کیونکہ فیشن ایبل بکروں کی وجہ سے بعض اوقات انہیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلباء مصر ہوتے کہ اُن کے بکرے بھی راجکپور کی بے ہنگم اچھل کود سے محظوظ ہونے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں وہ بھی

فلموں میں پیش کئے جانے والے سماجی مسائل پر سنجیدگی سے جگالی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اُس غزال
آنسو بہانا چاہتے ہیں جو ہر فلم کی ہیروئن محبوب سے بچھڑ جانے پر سیاہ کپڑے پہن کر سناتی ہے۔

انہیں دنوں کی ایک شام کا ذکر ہے کہ حمید اپنے بکرے سمیت فریدی کی ایئر کنڈیشنڈ لگن میں
کر رہا تھا۔ بکرا پچھلی نشست کی کھڑکی سے سر نکالے ان بکروں پر حقارت بھری نظریں ڈالتا جا رہا تھا
اُس کی طرح ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک ایک خونخوار قسم کا السیشن کار
پیچھے دوڑنے لگا۔ چونکہ یہ شہر کی ایک پھری پُری سڑک کا واقعہ تھا اس لئے حمید کار کی رفتار تیز نہ کر سکا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کتے نے بکرے پر جھپٹا مارا۔ بکرے نے بوکھلا کر سر اندر کرنا چاہا لیکن اگر
سینگیں کھڑکی کے اوپری حصے سے لگ کر رکاوٹ بن گئیں۔ وہ بڑی کربناک آواز میں چیخا اور حمید
کار سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ کتا آدھے دھڑ سے کار میں گھس آیا اور بکرے نے کسی سہمی
محبوبہ کی طرح حمید کے بائیں شانے پر تھوتھنی رکھ دی۔

حمید نے کتے کے سر پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار سے
اتر آیا۔ کتا اب بھی اچھل اچھل کر کار پر حملے کر رہا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ کئی راہگیر
رک گئے تھے۔ ان میں ایک آدھ بکروں کے ہمدرد بھی تھے۔ انہوں نے حمید سے کہا بھی کہ اُسے
فاشی کتے کے خلاف کوئی سخت کاروائی کرنی چاہئے لیکن حمید شائد کتے کے مالک کا منتظر تھا۔

یہ ایک اونچا السیشن کتا تھا اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے پٹے اور پیتل کے میونسپل بیا
ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا فرد ہے۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی کار وہاں آ کر رکی اور ایک ادھیڑ عمر کی سفید فام عورت کتے کو آواز دیتی
کار سے اُتر آئی۔

''معاف کیجئے گا۔'' عورت نے حمید سے کہا۔ ''یہ کتا کار سے کود کر بھاگا تھا۔''

لیکن جیسے ہی اُس کی نظر حمید کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے بکرے پر پڑی وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔
حمید کو اب بکرے کتے اور اُس بوڑھی عورت سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی کیونکہ عورت کی کار کی پچھلی
پر اُسے سنگرام نظر آ گیا تھا اور اُس کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی بلاشبہ بے حد حسین تھی لیکن وہ بھی غیر
تھی۔ سنگرام حمید کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا اس طرح دیکھ لیا جانا اُسے پسند نہ آیا ہو۔

بوڑھی عورت کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اُسے اپنی کار کیطرف لے جا رہی تھی۔ اُسکی کار روانہ ہو

نا اُسکے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسی کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کار آرلنگٹن کی کمپاؤنڈ میں رکی۔ سنگرام کے ساتھ وہ لڑکی بھی اُتری۔ وہ تینوں
میں داخل ہوئے۔ کتے کو کار میں بند کر دیا گیا تھا۔ حمید نے اپنی کار اُسی کے قریب کھڑی کر دی اور
از کر کار کو مقفل کر دیا۔ کتا دوسری کار میں بے بسی سے اچھل کود رہا تھا اور بکرے نے کچھ اس انداز
سنجیدگی سے جگالی شروع کر دی تھی جیسے ''بچوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانا کرتے۔''

حمید نے ہال میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف دیکھا لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ریکریئیشن ہال سے
ی کی مدھم سی آواز آ رہی تھی۔ حمید کے قدم اُدھر ہی اٹھ گئے۔ ممکن ہے وہ ریکریئیشن ہال ہی میں ہوں۔
اس کا خیال صحیح نکلا۔ وہ وہیں تھے۔ حمید نے انہیں بائیں جانب والی گیلری میں بیٹھے دیکھا اور خود
اُسی طرف چل پڑا۔ ان کے قریب ہی کی ایک میز خالی تھی۔ حمید نے سنگرام پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی
کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سنگرام کی پشت اس کی طرف ہو گئی تھی مگر وہ لڑکی سامنے ہی تھی۔ حمید پائپ میں
بھرنے لگا۔ مگر لڑکی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھنا نہیں
چاہتی۔ اُس کے برخلاف بوڑھی عورت کا چہرہ بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظر ایک بار حمید کی
طرف اٹھی۔ اس کے ہونٹ خفیف سے کھلے اور پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ حمید نے اُسے آگے جھک
کر آہستہ سے کچھ کہتے دیکھا اور لڑکی اُسے غور سے دیکھنے لگی لیکن سنگرام اُس کی طرف نہیں مڑا۔

بوڑھی عورت حمید میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس سے گفتگو
کرنے کے لئے بے چین ہو۔ ان کی میزوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

دفعتاً بوڑھی عورت نے کہا۔ ''اگر آپ تنہا ہوں تو اس میز پر آ جایئے۔''

''اوہ شکریہ.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی دانست میں اس کی ٹیلی پیتھی کام آ گئی تھی۔

وہ بوڑھی عورت کے قریب بیٹھ گیا۔ سنگرام کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا جس کی وجہ کم از کم حمید کی
سمجھ میں نہ آ سکی کیونکہ سنگرام اس سے پہلے ہی فریدی کی لسٹ پر آ چکا تھا اور اسے اس کا علم بھی تھا۔

''آپ کی کار میں بکرا دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آئی تھی۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''لیکن آپ کی کار میں کتا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔'' حمید بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ کتا
پالتے ہیں۔''

''کچھ مجھے فی الحال اجازت دیجئے۔'' سنگرام بول پڑا۔ ''میں طبیعت میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اوہ بیٹھئے نا۔'' بوڑھی عورت بولی۔

''کچھ دیر کے لئے کھلی ہوا چاہتا ہوں۔ پھر میں واپس آ جاؤں گا۔'' سنگرام نے کہا اور جواب انتظار کئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اب اُس کے چہرے پر اضطراب کے آثار نہیں تھے۔

''یہ واقعی ایک دلچسپ جدت ہے۔'' بوڑھی عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

''آپ کیا کرتے ہیں۔''

''میں ایک طالب علم ہوں۔''

''یہ میری بھتیجی سارہ ٹرگس ہے۔'' بوڑھی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اور میں حمید ہوں۔'' حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ دونوں نے رسمی جملے کے سیدھے بیٹھ گئے۔

حمید نے بوڑھی سے کہا۔ ''اب پڑھے لکھے لوگ عام طور پر بکرے پالنے لگے ہیں اور بکرا قیمتیں اونچی ہوگئی ہیں۔''

''میں نے اکثر نوجوان کے ساتھ بکرے دیکھے ہیں۔ مگر میں کسی نہ کسی سے اس کا مقصد کرنے کے لئے بیتاب تھی۔''

''بکرا پالنے سے دراصل بچت ہوتی ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''کیونکہ گوشت مقابلے میں گھاس بہت سستی ملتی ہے۔ کتا پالئے تو گوشت کا مسئلہ۔ پھر اُسے روزانہ نہلایئے دھلا بکرے کو کبھی نہ نہلایئے۔ اُسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کہیں سفر میں ہوں اور کھانے کو کچھ بکرے کو ذبح کیجئے اور نہایت اطمینان سے کباب لگایئے۔ آپ روزانہ کتے کا پیٹ بھرتی ہیں وہ آپ کے لئے ایک وقت کا بھی کھانا مہیا کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں.... اور پھر بکرے کی صحبت آ اور بردبار بناتی ہے۔''

لڑکی بھی ہنس پڑی اور حمید دل ہی دل میں اپنے بکرے کو دعائیں دیتا رہا۔

''آپ بہت دلچسپ نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔''

''بس نوجوان معلوم ہی ہوتا ہوں ورنہ بکرے کی صحبت نے مجھے سقراط بنا دیا ہے۔''

''آپ واقعی بے حد دلچسپ ہیں۔'' لڑکی نے ہنستے ہوئے پہلو بدلا۔

''مجھے آج تک اس کا احساس نہیں ہوسکا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے آتے ہی آپ کے ایک ساتھی یہاں سے اٹھ گئے۔''

''اوہ... اس کی فکر نہ کیجئے۔'' لڑکی مسکرائی۔ ''مجھے دراصل نئے دوست بنانے کا بے حد شوق ہے۔''

''اگر آپ ایک بکرا پال لیں تو روزانہ نئے دوستوں کی تلاش میں زحمت نہ اٹھانی پڑے۔''

''وہ کیسے.... آپ تو مدلل گفتگو کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔''

''جی.... لیکن اس کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ویسے میں محسوس یہی کرتا ہوں۔ جب سے بکرا ہاتھ آیا ہے میں نے دوست بنانا ترک کر دیا ہے۔ گھر سے بہت کم نکلتا ہوں۔ جب میں داس ہوتا ہوں تو مجھے اس کی آنکھوں میں اپنا مستقبل نظر آتا ہے۔ ان میں بہاریں رقص کرتی ہیں.... ور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سرگوشیوں میں کہہ رہا ہو یہی تمہاری منزل ہے واپس آ جاؤ.... واپس آ جاؤ۔ پھر میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجتی ہیں۔ ہلکی ہلکی مترنم گھنٹیاں.... جو کبھی لوریاں بھی معلوم ہوتی ہیں اور میں اس کی سینگوں پر سر رکھ کر سو جاتا ہوں۔''

حمید بڑے رومانی انداز میں بک رہا تھا اور وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے لڑکی سے رقص کی درخواست کی۔

''پہلے جا کر بکرے سے پوچھ آیئے۔'' لڑکی کہتے کہتے ہنس پڑی۔

''چونکہ میں اس کے ساتھ رقص نہیں کر پاتا اس لئے اُس نے اجازت دے رکھی ہے۔ کئی بار میں نے کوشش کی ہے کہ اُسے اس ڈھب پر بھی لے آؤں لیکن وہ سیدھا کھڑا ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔''

لڑکی ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی اور وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید کا دماغ چوتھے آسمان پر تھا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناچتے رہے پھر لڑکی نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ جو یہ آدمی تھا کیا آپ اسے جانتے ہیں۔''

''نہیں تو.... میں کیا جانوں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تو وہ کبھی اس طرح اٹھ کر نہ جاتا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''معاف کیجئے گا۔ آپ بھی بار بار اُسے گھور رہے تھے۔ ویسے وہ بھی آپ کو دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔''

''بھئی مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔''

''آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے۔'' لڑکی نے مغموم آواز میں کہا۔

''آپ بھی تو اُس کی موجودگی میں کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھیں لیکن اُس کے جاتے ہی آپ کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا تھا۔ بولئے اب آپ خاموش کیوں ہیں۔'' حمید نے سوال کیا۔

لڑکی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''میں اُس سے ڈرتی ہوں اور وہ آپ سے ڈرتا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے خائف ہو کر اُٹھ گیا تھا۔ تو پھر آپ کون ہیں۔''

''بکرے کا مالک اور ایک اُداس طالب علم.... آہا.... کہیں وہ میرے بکرے کو اڑا دینے کی تاک میں نہ ہو۔''

''اب آپ بات اڑا رہے ہیں۔ آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔ وہ آپ سے کیوں ڈر گیا تھا۔''

''لیکن آپ اُس سے کیوں ڈرتی ہیں۔''

''وجہ ہے۔''

''تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی۔''

''میں اُسے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہی جملہ میری طرف سے بھی اپنے لئے کہہ لیجئے۔''

''کیا آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔'' لڑکی نے اچانک سوال کیا۔

''کیوں؟ کیا وہ کوئی بُرا آدمی تھا جو پولیس آفیسروں سے خائف ہو سکے۔''

''یقیناً وہ ایک بُرا آدمی ہے۔''

''اور آپ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں ہے.... کیوں؟''

''تو آپ اُسے جانتے ہیں۔'' لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ ''اور وہ آپ سے خائف تھا اس لئے میں آپ کو کوئی بڑا پولیس آفیسر ہی سمجھ سکتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ پر اعتماد کر لوں۔ آپ مجھے اُس کی دستبرد سے بچا سکتے ہیں۔''

''یہ بکرے کی موجودگی ہی میں ممکن ہے ورنہ وہ مجھ سے شکوہ کرے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ''اگر میں ناچتے ناچتے آپ کو پہ دھکیل کر چیخنے لگوں تو کیسی رہے۔''

''اوہو....!'' حمید مسکرایا۔ ''آپ تو اس بلیک میلر کی بھی چچی معلوم ہوتی ہیں۔ خیر آپ بتائیے کہ

آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔''

''پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔''

''اگر میں یہی کہہ دوں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تو اس کیلئے میرے پاس دلیل کیا ہوگی۔ میری جیب میں تو اس قسم کی کوئی تحریر ہے نہیں جو میرے بیان کی تصدیق کر سکے۔ آپ کیسے یقین کر لیں گی۔''

''میں یقین کر لوں گی کیونکہ میرا دل بہت دیر سے یہی کہہ رہا ہے۔''

''اچھا تو میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور وہ بلیک میلر مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''شکریہ! اَب میں آپ کو اپنی کہانی سنا سکتی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ کی شرافت سے یہ توقع بھی ہوں گی کہ آپ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے۔ میری پھوپھی کو اگر اس کا علم ہو گیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔''

''آپ مطمئن رہئے ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

''میری پھوپھی... مسز بلفرائی ایک دولت مند خاتون ہیں۔ ممکن ہے آپ نے انکا نام پہلے بھی سنا ہو۔''

''میں نے سنا ہے۔ یہاں ان کے کئی کاروبار ہیں۔ اُوہو تو یہ مسز بلفرائی ہیں۔''

''جی ہاں.... میں اُن کی تنہا وارث ہوں.... وہ میری شادی لندن کے ایک متمول گھرانے میں کرنا چاہتی ہیں اور مجھے بھی یہ رشتہ برا نہیں لگتا کیونکہ نکی مجھے بہت پسند ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہیں اور نکی بھی مجھ سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''ہاں تو خاموش کیوں ہو گئیں۔''

''اس آدمی کے ہاتھ میرے کچھ خطوط لگ گئے ہیں۔ جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں حالانکہ کسی بُرے ارادے سے نہیں لکھے گئے تھے۔ نکی سے پہلے بھی میرا ایک دوست تھا لیکن ہم دونوں میں رسمی رشتہ تھا۔ میں نے وہ خطوط اُسی کو لکھے تھے۔ بہرحال وہ کسی طرح اس آدمی کے ہاتھ لگ گئے اور وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر وہ خطوط منظر عام پر آ گئے تو نکی سے میری شادی نہ ہو سکے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ میں پھوپھی کے ترکے سے بھی محروم ہو جاؤں کیونکہ وہ بھی نکی کو ناپسند نہ کریں گی۔ وہ ایک ضدی طبیعت کی عورت ہیں جو کچھ اُن کے ذہن میں بیٹھ جائے اس کا ٹلنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔''

''وہ آپ کو کب سے بلیک میل کر رہا ہے۔''

''تقریباً چھ ماہ سے۔''

''کافی رقم اب تک وصول کر چکا ہوگا۔''

''کافی سے بھی زیادہ۔''

''خیر! اَب نہ کر سکے گا۔ اُسے جلد ہی آپ کی راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ لیکن آپ کی پھوپھی اُسے کس حیثیت سے جانتی ہیں۔''

''میرے ایک ملنے والے کی حیثیت سے۔ اور وہ اسی طرح میرے سر پر سوار رہتا ہے۔''

''بہت جلد.... آپ فکر نہ کیجئے۔''

''میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔''

''احسان مند رہنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''پھر.... پھر.... آپ کیا چاہتے ہیں۔'' لڑکی ہکلائی۔

''ایک قربانی....!''

''کیا میں نہیں سمجھی۔'' لڑکی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''کتا فروخت کر کے ایک بکرا خرید لیجئے۔ اس طرح آپ مجھے لندن میں بھی یاد رکھ سکیں گی اور میری اس ''بکرا پسند'' تحریک کی اشاعت بھی ہوتی رہے گی۔''

لڑکی ہنسنے لگی.... اس نے کہا۔ ''میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''مگر بکرا نہیں رکھیں گی.... کیوں؟'' حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اچانک آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور ہال کے ایک حصے میں بدنظمی سی نظر آنے لگی۔ پھر یہ بدنظمی ایک خاصے ہنگامے میں تبدیل ہو گئی۔

''قتل ہو گیا۔'' ایک آدمی نے کہا اور دوڑتا ہوا حمید سے ٹکرایا تھا۔

''کیا؟'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔

''قتل ہو گیا۔'' حمید نے جواب دیا۔

اچانک لاؤڈ سپیکر سے کسی کی آواز آئی۔ ''خواتین و حضرات! آپ جہاں بھی ہیں وہیں تشریف رکھیں سارے دروازے پولیس نے بند کرا دیئے ہیں۔ آپ باہر نہ جا سکیں گے۔''

''کیوں نہ جا سکیں گے۔'' بہت سی آوازیں بیک وقت ہال میں گونجیں۔

''اوپری منزل کے ایک غسل خانے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔'' لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔

''میرے خدا قتل....!'' لڑکی کانپنے لگی۔

''اب باہر جانا مشکل ہوگا۔ آپ وہیں اپنی میز پر بیٹھئے۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''ابھی آیا.... چلئے.... بیٹھئے۔''

حمید اُس کو بوڑھی کے پاس چھوڑ کر ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا۔ یہاں سچ مچ پولیس موجود تھی۔

''انچارج کون ہے۔'' حمید نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا جو اُسے پہچانتا تھا۔

''جگدیش صاحب۔'' اُس نے اُسے سلیوٹ کر کے جواب دیا۔ ''وہ اوپر ہی ہیں جناب۔''

حمید زینے طے کر کے اوپر پہنچا۔ پہلی ہی منزل کی راہداری میں بھیڑ نظر آئی۔ وہیں ایک غسل خانے میں لاش اوندھی پڑی ہوئی تھی اور ایک خنجر دل کے مقام پر دستے تک پیوست تھا۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں کیونکہ یہ سنگرام کی لاش تھی۔

وہ جگدیش کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر نیچے واپس آیا اور منیجر کے کمرے میں جا کر اُن مقامات کا نمبر ڈائیل کرنے کا ارادہ کیا جہاں فریدی سے ملاقات ہو سکتی تھی لیکن وہ خلاف توقع گھر ہی پر مل گیا۔

''سنگرام یہاں آرلکچو میں ابھی ابھی قتل کر دیا گیا۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی قتل کیا گیا ہے۔''

''کچھ دیر پہلے وہ اُسی میز سے اٹھا تھا جس پر میں تھا۔''

''کیا مطلب! تم اُس کے ساتھ تھے۔'' فریدی کی آواز میں حیرت تھی۔

''نہیں وہ جس لڑکی کے ساتھ تھا میں اُس لڑکی....!''

''لڑکی کے بچے۔'' فریدی غرایا۔ ''تم میرا کام چوپٹ کرتے رہتے ہو۔ اُس کی موت کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہے۔ وہیں ٹھہرو.... میں آ رہا ہوں۔''

حمید بوکھلا کر منیجر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ وہ لڑکی آ ٹکرائی شائد وہ اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

''آپ کہاں ہیں۔ مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔''

''اب تم زندگی بھر کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔ وہ مارڈالا گیا۔ وہی جو تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔''

''نہیں....!'' لڑکی سناٹے میں آ گئی۔

''ہاں....وہی....لیکن اب تم خدا کے لئے اپنی میز پر جاؤ۔ میرا ظالم فادر آ رہا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تب بھی اگر کسی نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ تمہاری میز سے اٹھا ہے تو تم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی....جاؤ....جب دروازے کھلیں تو چپ چاپ نکل جانا۔''

لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں چلی گئی۔

حمید فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ وہ پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ لاش دیکھی اور پھر نیچے آ گیا۔

حمید نے خود ہی پوری داستان دہرائی۔ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب نظر آ رہا تھا۔

''وہ دونوں کہاں ہیں۔''

''چلئے دکھاؤں۔'' حمید اُسے ریکریئیشن ہال کے دروازے تک لے گیا اور اشارے سے ان دونوں کو دکھا کر کہا۔ ''وہ رہیں....میں نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''ہاں....یہ مسز بلفرائی ہی ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''خیر میں انہیں پھر دیکھوں گا۔ تم بالکل گدھے ہو۔ تمہیں علم تھا کہ میں سنگرام سے کام لے رہا ہوں۔''

''میں سنگرام کے چکر میں نہیں تھا۔''

''میں تم سے سمجھوں گا حمید۔ ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔''

فریدی نے کہا اور اُسے وہیں چھوڑ کر پھر اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک میز سے ٹکا کھڑا اپنی پیشانی رگڑتا رہا۔

اور پھر کیا ہوا

حمید نے وہ رات نہ جانے کس طرح گذاری۔ فریدی رات بھر گھر سے غائب رہا۔ صبح واپس آیا اس کا موڈ پچھلی رات سے بھی زیادہ خراب تھا۔ نہ اُس نے حمید سے بات کی اور نہ اُسکی طرف متوجہ ہوا حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اُسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ جب اُسے معلوم تھا کہ فریدی اور سنگرام کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ہوا ہے تو اُسے اُس سے دور ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر بُرا ہوا اس حسن پرستی کا۔ اُس نے اُسے دو کوڑی کا آدمی بنا دیا تھا۔ ایسے ہی مواقع پر وہ تھوڑا دیر کے لئے عورتوں کے سلسلے میں فریدی کو ایک دانش مند ترین آدمی تسلیم کر لیتا تھا۔

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید کٹے ہوئے پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر ڈولتا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے ایک نوکر نے اطلاع دی کہ کوئی لڑکی جس کا نام سارہ ٹرگیس ہے اُسے فون پر بلا رہی ہے۔

''سارہ ٹرگیس۔'' حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور بولا۔ ''اُس سے کہہ دو....کیپٹن حمید کو گولی مار دی گئی۔''

''جی صاحب۔''

''ابے بھاگ....جی صاحب کا بچہ۔ جب بھی کسی عورت کا فون آئے کہہ دو کپتان صاحب مر گئے....ہاں....گٹ آؤٹ۔''

نوکر چپ چاپ چلا گیا۔ غالباً آج یہ اس کے لئے ایک بالکل ہی نئی بات تھی۔

حمید اب اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کون جانے سنگرام کے قتل میں اُسی کا ہاتھ ہو۔ وہ اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔ ممکن ہے اُس سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پانے کے لئے وہ یہ بھی کر گذری ہو۔ جو لڑکی مالی اعتبار سے اتنی مضبوط ہو کہ چھ ماہ تک کسی بلیک میلر کے مطالبات پورے کر سکے وہ اُسے قتل کرا دینے کے لئے بھی معقول رقم خرچ کر سکتی ہے۔ لہٰذا فریدی کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈی ہی اس قتل کا ذمہ دار ہے۔ اس نے فریدی کو سارہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اُس نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنی خواب گاہ میں آ گھسا۔ لیکن ابھی اُسے آفس جانا تھا۔ ہمت نہیں پڑی کہ فریدی سے اُس کے پروگرام کے متعلق پوچھتا۔

دس بجے وہ آفس چلا گیا لیکن ایک گھنٹے بعد فریدی کا فون آیا۔ اُس نے اُسے گھر واپس بلایا تھا۔

گھر پہنچتے ہی فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی لیکن وہ اچھے موڈ میں تھا۔ حمید کو پہلے تو اس پر حیرت ہوئی مگر پھر اس کا وہ جملہ یاد آ گیا جو اُس نے پچھلی رات آرلکچو میں کہا تھا یعنی وہ اسے کوئی سخت ترین سزا دے گا۔ ایسی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

''تمہیں فن آئی لینڈ جانا ہے۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''چلا جاؤں گا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ نے سارہ ٹرگیس کو چیک کیا یا نہیں۔ وہ سنگرام کو قتل کرا دینے کی بڑی اہم وجہ رکھتی ہے۔''

''اسے چیک کیا جارہا ہے۔لیکن اُس کے قتل کا باعث ڈریڈ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ میری ہی طرح اُس نے بھی اُسے ایک کام کے لئے ڈریڈ کے خلاف استعمال کیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سنگرام ڈریڈ کے دوسرے ساتھیوں کی طرح کٹھ پتلی نہیں تھا بلکہ ڈریڈ سے اپنا پیچھا بھی چھڑانا چاہتا تھا۔اُس کے لئے اُس نے ڈریڈ کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور کیا تمہیں علم ہے کہ اس کی لاش کے نیچے سے ایک پنسل اور کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی برآمد ہوا تھا۔

''نہیں.....میں نہیں جانتا۔''

''وہ تمہارے لئے ایک چٹ لکھ رہا تھا۔''

''میرے لئے.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔

پنسل سے تین لائنیں گھسیٹی گئی تھیں اور تیسری نامکمل تھی۔

''کپتان صاحب۔ آخر آپ کیوں میری
زندگی کے گاہک ہوئے ہیں۔کیا کرنل صاحب کی
طرف سے آپ کو ہدایت ملی.....

وہ غالباً ''ہدایت'' کے بعد ''ملی.....'' لکھ رہا تھا اُسی وقت اس پر حملہ ہوا اور ''ملی'' کی ''ی'' دائرہ بنا سکی۔دفعتاً حمید کے ذہن پر ہتھوڑے سے چلنے لگے اور وہ سچ مچ خود کو مجرم تصور کرنے لگا۔سنگرام اچھا بُرا آدمی سہی لیکن اُس نے ڈریڈ کے خلاف قانون کی مدد کرنے کا تہیہ کرلیا تھا حمید نے اس کے لئے ہمدردی کے جذبات محسوس کئے اور اُس کے چہرے پر اضمحلال نظر آنے لگا۔

''ڈریڈ اُسے قتل نہ کراتا۔'' فریدی کہہ رہا تھا۔''مگر وہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہوگیا تھا اس کی اطلاع اُسے فنچ سے ملی تھی۔''

''تو یہ فنچ حقیقتاً اب بھی یہاں موجود ہے۔''

''ہاں اُن دونوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا چل رہا ہے۔''

کچھ دیر حمید خاموش رہا پھر بولا۔''جزیرے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''انتظار.....ایک اشارے کا منتظر رہنا پڑے گا تمہیں.....جو بڑے ٹیلے پر سے رات کو کسی وقت تمہیں ملے گا اور تم ٹیلے کے قریب پہنچنے کی کوشش کرو گے۔مجھے یقین ہے کہ ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر جزیرے

میں کہیں ہے اور شہر سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے وہی سفید کشتی استعمال کی جاتی ہے۔''

''میں آج آپ سے بحث نہیں کروں گا۔'' حمید نے کہا۔''لیکن وہ اشارہ کس قسم کا ہوگا۔''

''سرخ روشنی۔'' فریدی مسکرایا۔''نہیں تم شوق سے بحث کرو۔مجھے پچھلی رات تم پر بہت شدت سے غصہ آگیا تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ اس لئے نہیں مارا گیا کہ تم اُس کے ساتھ تھے۔اگر یہ بات ہوتی تو قاتل یہ دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا کہ وہ کاغذ پر کیا لکھ رہا تھا اور شائد کاغذ کا یہ ٹکڑا میرے ہاتھ لگ سکتا۔وہ دراصل سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہوجانے کی بناء پر مارا گیا۔''

''شکر ہے۔'' حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔''میری گردن تو چھوٹی۔''

''تمہیں میک اپ میں فن آئی لینڈ جانا ہوگا۔'' فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔

❁

رات تاریک تھی۔حمید کی کلائی کی گھڑی نے دس بجائے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطربانہ انداز سے بڑے ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔وہ فرائی فش ریستوران کی ایک ایسی کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا جہاں سے بڑا ٹیلہ صاف نظر آتا تھا۔چلتے وقت فریدی نے بھی اُس سے یہی کہا تھا کہ وہ فرائی فش ریستوران سے بڑے ٹیلے پر نظر رکھ سکے گا۔

ریستوران میں صرف تین میزیں بھری ہوئی تھیں بقیہ خالی ہوچکی تھیں نو بجے تک جزیرے میں دا چہل پہل رہا کرتی تھی اس کے بعد ہی سے وہ ویران ہونے لگتا تھا۔لیکن یہاں بھی اکثر ایسے ستوران تھے جو رات بھر کھلے رہتے تھے۔حمید شام سے یہیں بیٹھا رہا تھا اور اب اکتا گیا تھا۔اُسے ابھی بھی علم نہیں تھا کہ اشارہ کس سے ملے گا اور پھر ٹیلے کے قریب پہنچ کر اُسے کیا کرنا پڑے گا۔وہ بیزار ہا.....پھر ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر اُسے ٹیلے پر سرخ روشنی نظر آئی اور وہ اٹھ کر ریستوران سے ٹیلے کی طرف روانہ ہوگیا۔اُسے وہ رات یاد آرہی تھی جب اُس نے سنگرام کا تعاقب کیا تھا اور یہ نوبت ہی تھی کہ آپس میں جھگڑا ہوجانے پر وہ بقیہ ساتھیوں سے اسی لئے کٹ گیا تھا کہ کہیں پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہوجائے۔فریدی کو اس نے یہی بتایا تھا۔

حمید ٹیلے کے قریب پہنچ کر اوپر دیکھنے لگا۔لیکن پھر یک بیک اچھل پڑا۔کسی نے اس کے شانے پر انگلی رکھ دی تھی۔

''اِدھر آیئے۔!'' اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔

حمید آواز سے پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دفعتاً اُسے فریدی کی بلیک فورس کا خیال آیا۔ کیا وہ اس سلسلے میں بھی اپنی پُراسرار بلیک فورس ہی استعمال کر رہا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ ٹیلے کے نیچے ہی نیچے چل کر وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں سے پانی کی طرف ڈھلان شروع ہوئی تھی۔

حمید کو نیچے اترنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ اندھیرا تھا اور کہیں کہیں اُگی ہوئی جھاڑیاں تاریکی میں غاروں کے دہانے معلوم ہو رہی تھیں۔ پھر پانی کی سطح اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہ گئی۔ سمندر پرسکون تھا۔ لیکن پانی کی بساندھ سے حمید کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ بائیں جانب مڑ کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ یہاں زمین ریتلی تھی اور حمید کو اپنے پیر دھنستے معلوم ہو رہے تھے۔

رہبر آگے چل رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رکا۔ حمید بھی رک گیا۔ اُسے تھوڑے فاصلے پر پانی میں ایک لانچ نظر آئی اور رہبر آہستہ سے بولا۔ ''بیٹھ جایئے۔''

لانچ میں شائد کچھ آدمی اور بھی تھے۔ حمید لانچ پر بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''میں عرض کر رہا ہوں لانچ میں بیٹھ جایئے۔'' اس نے پھر کہا۔

حمید نے آگے قدم بڑھائے اور لانچ سے آواز آئی۔ ''کیوں دیر کر رہے ہو۔''

آواز فریدی کی تھی۔ حمید چپ چاپ لانچ میں اُتر گیا لیکن رہبر کنارے ہی کھڑا رہا اور لانچ چل پڑی۔ حمید کنارے کھڑے ہوئے تاریک سائے کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ یک بیک نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ لیٹ گیا ہو۔

اب اُس نے لانچ کے اندر کا جائزہ لیا۔ ایک آدمی مشین کے سامنے تھا اور اس کے پیچھے حمید نشست پر ایک آدمی اور تھا۔ لانچ میں کل چار آدمی تھے لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید اپنے بیٹھے ہوئے آدمی کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہوگا۔ ویسے ان میں فریدی نہیں تھا کیونکہ حمید نے اُس کی آواز صاف پہچانی تھی۔

لانچ چلتی رہی اور دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک گہرا اندھیرا ہو گیا ہو۔ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن کچھ سجھائی نہ دیا۔ پھر اُس نے اوپر دیکھا اور اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ لانچ اونچی اونچی دیواروں کے درمیان چل رہی ہو۔

حمید اوپر ہی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں دیواروں کا درمیانی فاصلہ تنگ ہوتا ہوا معلوم ہونے لگتا۔ یہ لانچ بے آواز تھی۔

''آگے راستہ بند ہے جناب۔'' اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

''روک دو۔'' حمید کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ یہ فریدی ہی تھا۔

لانچ کی اگلی روشنی جاگ اٹھی اور اس کا دائرہ سامنے کی جھاڑیوں پر پڑا۔ بڑی بڑی کانٹے دار جھاڑیاں اوپر سے اس طرح پانی پر جھک آئی تھیں کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔

''ناممکن....!'' فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''واپس لے چلو۔ ممکن ہے ہم اُسے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہوں۔''

لانچ پھر واپس ہوئی۔ فریدی نے اپنی ٹارچ نکال لی تھی اور حمید سے اس کے لئے کہا۔ اس طرح دو ٹارچوں کی روشنیاں دراڑ کے دونوں اطراف میں پڑنے لگیں اس بار لانچ کی رفتار نسبتاً سست تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد دفعتاً فریدی نے پھر لانچ رکوا دی۔ یہاں اس دراڑ میں سڑے ہوئے پانی کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ حمید ناک پر رومال رکھے رک رک کر سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان گندگیوں کا عادی ہو۔

''آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک ایسی جگہ جہاں کوئی بڑی کشتی چھپائی جا سکے۔'' اس نے جواب دیا لیکن اُس کی ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اِدھر اُدھر گردش کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ بجھا دی۔

ٹھیک اسی وقت ایک ہلکی سی آواز آئی۔ حمید نے گھبرا کر اپنے پیر سکوڑ لئے کیونکہ آواز پیروں کے پاس ہی سے آئی تھی۔ مگر دوسری بار اُس نے محسوس کیا کہ وہاں ایک ٹرانسمیٹر موجود ہے جس نے کہیں سے نشر ہونے والا کوئی اشارہ ریسیور کیا تھا۔

''ہیلو....!'' فریدی بولا۔ ''الیف پلیز....!''

حمید دوسری طرف سے آنے والی آواز نہ سن سکا۔

''اوہ....!'' فریدی کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا.... اچھا.... اچھا.... اُدھر بھی دیکھتے ہیں۔ اُدھر تو آگے جانے کا راستہ نہیں ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کافی انتظام کے ساتھ اس مہم پر آیا ہے۔ فریدی کے کہنے پر لانچ پھر چل پڑی۔ اگلی روشنی گل کر دی گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس دراڑ سے کھلے پانی میں آ گئے اور لانچ داہنی جانب مڑ گئی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ فریدی ٹرانسمیٹر سے نامعلوم آدمیوں کے لئے ہدایات نشر

کرر ہا تھا۔ کچھ دیر بعد لانچ پھر ایک دراڑ میں داخل ہوئی لیکن حمید کو اپنے سر کے بال کسی چیز سے الجھے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جیسے اُس نے سر پر ہاتھ لے جانا چاہا "سی" کر کے رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو جیسے بیک وقت سیکڑوں کانٹے ہاتھ میں چبھ گئے ہوں۔

"جھک جاؤ.... جھک جاؤ.... جھاڑیاں ہیں۔" فریدی بولا۔ "رفتار بہت کم کر دو۔"

"اُس نے بھی ٹارچ روشن کر لی تھی۔ لیکن پھر وہ جلد ہی سیدھے بیٹھنے کے قابل ہو گئے۔

فریدی نے کہا۔ "روک دو۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں پیچھے رہ جانے والی جھاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ پانی کی سطح سے بمشکل تمام پانچ فٹ اونچی رہی ہوں گی۔ ان کے سلسلے دراڑ کے دونوں کناروں سے شروع ہو کر درمیان میں مل گئے تھے اور کسی سائبان کی طرح پانی پر چھا گئی تھیں۔ یہ سخت ڈنٹھلوں والی کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔

"وہ کشتی اس کے نیچے سے گذر تو سکتی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر چلو۔ آگے بڑھاؤ۔"

لانچ پھر چل پڑی۔ لیکن اب فریدی ہی کی ہدایت پر اس کی ہیڈ لائٹ روشن کر دی گئی تھی۔ اچانک حمید نے پشت پر ایک گونجیلا قہقہہ سنا اور وہ سب ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئے۔

اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بڑی کشتی نظر آئی۔ یہ اسی کی ہیڈ لائٹ تھی۔

"تم سب اسٹین گنوں کی زد پر ہو۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" انگریزی میں کہا گیا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔ حمید نے فریدی کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ حمید کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور اُسے اس روشنی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

"روکنا مت" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جس رفتار سے چل رہی ہے چلنے دو۔ حمید تم ٹرانسمیٹر کو پیر سے بائیں جانب کھسکا دو۔" حمید نے بڑی پھرتی دکھائی۔

پھر فریدی نے گرج کر کہا۔ "تم لوگ کون ہو۔"

"ہم لوگ ہتھکڑیوں کے لئے اپنے ہاتھ پیش کرنے آئے ہیں پیارے کرنل۔" کشتی سے آواز آئی۔ "لہٰذا لانچ روک دو۔"

حمید نیچے جھکا لیکن اس کی اس حرکت کے متعلق کشتی سے کچھ بھی نہ کیا گیا۔

شائد فریدی نے بھی اُسے جھکتے نہیں دیکھا۔ اب وہ پچھلی نشست کی اوٹ میں تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ نال پچھلی نشست کی پشت گاہ پر رکھی اور ہیڈ لائٹ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ شیشہ

ٹوٹنے کی آواز آئی اور اب پھر وہی پہلے کا سا اندھیرا تھا۔

"کیا کام کیا ہے فرزند.... جیو۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر جلدی سے بولا۔ "لیٹو.... سب لیٹ جاؤ.... رفتار بڑھاؤ.... چلتے رہو۔"

پھر شائد وہ اسٹین گن ہی کی آواز تھی جس سے فضا میں ہیجان سا برپا ہو گیا۔

بڑی کشتی سے ایک ٹارچ روشن ہوئی اور ساتھ ہی فریدی کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا اور ٹارچ شائد ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔ کیونکہ اُس کے بجھنے اور کسی کے چیخنے میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

اسٹین گن بھی خاموش ہو گئی۔ لیکن یہ سناٹا دیر تک قائم نہیں رہ سکا اور حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ بحری پولیس کی لانچوں کے ہوٹروں کی کرخت آوازیں تھیں جنہوں نے سناٹے کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔

پھر قریب ہی سے کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پانی میں وزنی چیزیں پھینکی گئی ہوں۔

"یہ بُرا ہوا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "وہ کود گئے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔"

اس نے ٹارچ روشن کی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سفید کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔

"لانچ موڑو.... جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ہوٹر اب بھی چیخ رہے تھے۔ لیکن شائد بحری پولیس کی کشتیاں دراڑ سے باہر ہی تھیں۔

لانچ کشتی کے قریب آ گئی اور فریدی نے لانچ پر سے کشتی پر چھلانگ لگا دی حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ لیکن کشتی خالی پڑی تھی۔ وہ پھر لانچ پر جانے کے لئے واپس ہو رہے تھے کہ کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے پانی میں دو چار کتے لڑ پڑے ہوں۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ آوازوں کی طرف بھاگ گیا۔ تین آدمی اس طرح بار بار پانی سے سر اُبھار رہے تھے جیسے غرقابی سے بچنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں۔

وہ کشتی کے قریب آ گئے اور اُن کے ہاتھ سہارا لینے کے لئے اٹھے۔ فریدی خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی پر چڑھ آئے۔ فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اُن کی حالت ابتر تھی۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ اُن میں سے ایک تو شائد گرتے ہی ختم ہو گیا تھا اور دو چت پڑے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے مردہ آدمی پر روشنی ڈالی۔

بحری پولیس کی لانچیں دراڑ میں داخل ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد سفید کشتی کھلے پانی میں آئی۔ لیکن اب اُسے بحری پولیس کا ایک پائیلٹ اسٹیئر کر رہا تھا۔ دونوں مجرم اب ہوش میں آ چکے تھے اور ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

فریدی، حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ شائد ہماری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا کہ میرے آدمی جزیرے کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش دیکھ رہا تھا.... وہ میک اپ میں نہیں تھا کیونکہ شکل انہیں تصاویر سے مشابہ تھی جنہیں وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنا بڑا مجرم جس سے پورا براعظم امریکہ کانپتا تھا ایک حقیر سے چوہے کی طرح ڈوب کر مر گیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے نہیں مرا۔'' فریدی بولا۔ ''میری چھ ماہ کی محنت برباد ہو گئی۔''

کشتی بحری پولیس کے گھاٹ سے آ لگی اور لاش اٹھانے کے لئے اسٹریچر لایا گیا۔ ڈریڈ کے دونوں ساتھیوں کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی تھے اور شائد ڈریڈ کے ہمراز بھی تھے ورنہ وہ اس کے ساتھ نہ ہوتے۔

لاش اسٹریچر پر رکھی گئی اور چار قلی اُسے اٹھائے ہوئے کشتی سے اترے۔ فریدی سب سے آخر میں اترا۔ قلی آگے بڑھ گئے تھے اور اب یہ لوگ گرفتار شدگان کے ساتھ چل رہے تھے.... دفعتاً سناٹے میں ایک وحشت ناک قسم کا قہقہہ گونجا اور ساتھ ہی کئی چیخیں سنائی دیں۔

''ارے.... مار ڈالا.... دوڑو بچاؤ۔''

اور پھر دو قلی بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ان لوگوں سے آ ٹکرائے۔ اُن پر کچھ اس قسم کی بدحواسی طاری تھی کہ وہ سنبھالنے کے باوجود بھی اپنے پیروں پر نہ کھڑے رہ سکے اور گرتے ہی بیہوش ہو گئے۔

فریدی اس طرف دوڑا جدھر سے وہ آئے تھے اور اس کے پیچھے سبھی دوڑنے لگے.... کچھ دور جا کر وہ رکا۔ یہاں بھی ایک قلی پر دوسرا ڈھیر تھا اور اسٹریچر اُن سے دور پڑا گویا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

پھر ذرا سی ہی دیر میں پورے علاقے میں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ قلیوں کا بیان جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ لاش یک بیک اچھل کر قہقہے لگانے لگی تھی اور پھر انہیں ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

فریدی اس طرح مضمحل نظر آنے لگا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

''آپ خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''وہ جتنے حیرت انگیز طور پر ہمارے ہاتھ آیا تھا اتنے ہی پُراسرار طور پر نکل بھی گیا۔''

''لیکن میں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے اُسے اسکے حال پر کیوں چھوڑ دیا تھا۔''

''تو کیا آپ بھی اسی اسٹریچر پر لیٹ کر سفر کرتے۔ قبر میں بھی اس کے ساتھ جاتے.... جہنم میں جھونکئے۔''

''وہ کمبخت جس دم کا بھی ماہر معلوم ہوتا ہے۔''

تقریباً تین چار گھنٹے تک ڈاکٹر ڈریڈ کی تلاش جاری رہی مگر اُس کا سایہ تک نہ مل سکا۔

اور پھر وہ دونوں بولنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ کے رازدار ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ سعیدہ رحمان ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے قبضے میں تھی۔ اُن کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ایک بار پھر انہیں فن آئی لینڈ کا سفر کرنا پڑا۔ لیکن اس بار اُن کے ساتھ اُن کے محکمے کا آئی جی بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھا اور بھی چند بڑے پولیس آفیسرز کی معیت میں وہ وہاں پہنچے.... سعیدہ رحمان برآمد کر لی گئی۔

وہ بہت اچھی حالت میں تھی اُس نے انہیں بتایا کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی تھی۔

''کرنل! تمہارا یہ کارنامہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔'' آئی جی نے فریدی کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ڈریڈ تو نکل ہی گیا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہی کیا کم ہے کہ تم نے شہر کی ایک معزز خاتون کو اُس کے پنجے سے رہائی دلوائی۔''

''معزز....!'' فریدی مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن اس کے لہجے نے آئی جی کو اُسے گھورنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا مطلب....!''

''جناب والا۔ ذرا یہ تو خیال فرمائیے کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو اس اغواء سے کیا فائدہ پہنچتا۔''

''جو کچھ ایک مالدار خاتون کے اغواء سے کسی کو پہنچ سکتا ہے۔''

''مالدار....!'' فریدی پھر اُسی انداز میں مسکرایا۔ ''اس بیچاری کی آمدنی تین ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی ڈھائی سو روپے ماہوار جو یہ اپنی ملازمت سے حاصل کرتی ہے۔''

''نہیں....!'' آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''پھر وہ جیکا والا قصہ۔''

''اسکینڈل.... فراڈ....'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ نے تیس ہزار کا خون کر کے لاکھوں بنانے کی اسکیم تیار کی تھی.... لیکن چوٹ کھا گیا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' آئی جی کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''اس نے پہلے سعیدہ کے متعلق ساری معلومات بہم پہنچائی اور پھر جمیکا کے فراڈ سے رابطہ قائم کر کے اُس سے اُس کے نام یہاں کے ایک بینک میں تیس ہزار منتقل کرائے اور اُسی فراڈ نے جمیکا سے سعیدہ کے وکیل کی معرفت اُسے ایک بڑے آدمی کے وارث ہونے کی خوشخبری پہنچائی۔ بیرسٹر کیلاش ورما ایک اچھے آدمی ہیں انہوں نے سعیدہ کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا لہٰذا وہ بھی دھوکہ کھا گئے.... اور شہر کیا سارے ملک میں سعیدہ کے اچانک مالدار ہو جانے کی پبلسٹی ہوگئی۔ شہر کے بڑے آدمی اس کے گرد منڈلانے لگے۔ ڈاکٹر ڈریڈ یہی چاہتا تھا۔ جب اُس خواستگاروں کی فہرست خاصی طویل ہوگئی تو ڈاکٹر ڈریڈ نے اُسے آرلیکچو سے اٹھوالیا۔ اگر اُس دن قاسم کی ذات سے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہوتا تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھوالی جاتی۔''

''لیکن مقصد....!'' آئی جی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا.... اور فریدی اس سلسلے کے بعض واقعات کو دہراتا ہوا بولا۔ ''میں اُسی وقت کھٹک گیا تھا جب مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک آدمی پولیس آفیسر کے بھیس میں سعیدہ کے مکان سے وہ وزیٹنگ کارڈ جھٹک لے گیا جو اُس نے اکٹھا کئے تھے۔ اگر اس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو شائد میں ابھی تک اندھیرے ہی میں بھٹکتا ہوتا۔ بہرحال وہ کارڈ اسی لئے واپس لئے گئے تھے کہ پولیس اس کے ملنے جلنے والوں کی شخصیتوں سے لاعلم رہے۔''

''مگر کیوں....!'' آئی جی نے بے چینی سے کہا۔ ''اصل بات بتاؤ۔''

''اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کے خواستگاروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ یقین کیجئے کہ اُس نے اس معصوم لڑکی پر جو تیس ہزار روپے خرچ کئے تھے ان سے کم از کم کروڑ پتی ضرور ہو جاتا۔ اس کی لسٹ پر تیس آدمی تھے۔ آج میں نے اُس کے جو دو عدد خطوط شہر کے دو بڑے آدمیوں سے حاصل کئے ان میں اس نے ہر ایک سے چار چار لاکھ کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سعیدہ کو صرف آپ ہی کی ذات سے اس کی توقع ہے کہ اُس کی رہائی کے لئے چار لاکھ خرچ کر دیں گے۔ لیکن اگر اس کی اطلاع پولیس کو دی گئی تو آپ چالیس لاکھ میں بھی سعیدہ کو نہ حاصل کر سکیں گے اور وہ مار ڈالی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن تیسوں آدمیوں کو اسی قسم کے خطوط لکھے گئے ہوں گے۔ اب آپ خیال

رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہی سوچ رہا ہوگا کہ وہ سعیدہ کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تبھی تو ں نے خصوصیت سے اُسی کی ذات سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اُس کے لئے چار لاکھ خرچ کر دے ا... پھر چار کیا.... وہ ایک ارب پتی لڑکی کے لئے چالیس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔''

''میرے خدا....!'' آئی جی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

سعیدہ وہاں موجود تھی اور بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ریدی خاموش ہوا اُس نے کہا۔ ''مگر میرے چچا کا کرم رحمان ہی نام تھا.... اور وہ بچپن ہی سے....!''

''ننھی بچی....!'' فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ہوائی قلعے مسمار دگئے۔ پچھلے سو سال سے جمیکا میں کرم رحمان نام کا کوئی بڑا آدمی نہیں گزرا۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے یہ تیس زار روپے اسی لئے صرف کئے تھے کہ پولیس بھی دھوکا کھا جائے اور جمیکا سے تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرے۔ میں بھی قطعی نہ کرتا.... مگر.... وہ وزیٹنگ کارڈز.... اسی جگہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا چالاک آدمی وک گیا تھا.... اگر اُسے وزیٹنگ کارڈ حاصل ہی کرنے تھے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا.... لیکن وہ پولیس آفیسر والا فراڈ.... فراڈ نہیں بلکہ ایک بچکانہ حرکت تھی۔''

''مگر پھر.... یہ قاسم اور پرویز کا کیا جھگڑا تھا۔'' آئی جی نے پوچھا۔

''وہ میری ہی ذات سے بڑھا تھا اور اس لئے بڑھا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو دھوکے میں رکھنا مقصود تھا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ پولیس انہیں دونوں میں سے کسی پر شک کر رہی ہے۔ اس طرح وہ بے احتیاط بھی ہوگی اور میں اس کے گرد اپنا جال بنتا رہا۔ ڈریڈ نے اُن دونوں بڑے آدمیوں کو بھی لکھا تھا کہ وہ قاسم اور پرویز کے معاملے سے تذبذب میں نہ پڑیں۔ وہ معاملہ تو محض پولیس کا دھیان اُدھر بٹا دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔''

آئی جی سعیدہ کو بہت حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اب شائد وہ شہر کی ایک معزز خاتون نہیں رہی تھی۔ اب شائد وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ کوئی اس سے اتنا ہی پوچھ لیتا کہ تمہیں گھر تک پیدل تو نہ جانا پڑے گا۔ لیکن اب سے ایک گھنٹہ قبل اس کے لئے تجوریوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

اس وقت وہ بھی ایک لاش ہی معلوم ہو رہی تھی لیکن اُس لاش میں قہقہہ لگانے کی سکت نہیں تھی۔